

مدبر اعلیٰ  
مولانا محمد الیاس گھمن

فقیہ  
سرگودھا  
ماہنامہ

شمارہ نمبر 11

نومبر 2014

جلد نمبر 3

مُحَرَّم  
قیام اس

ماہ محرم!  
فضیلت و احکام

خلافت فاروقی  
کے چند مثالی واقعات



ضروری نوٹ  
F لکھ کر اپنا خریداری نمبر  
03326311808  
پر Send کریں

مرکز اہل السنۃ والجماعت سرگودھا کا ترجمان



شماره 11

نومبر 2014ء

جلد نمبر 3

معاون مدیر

مولانا محمد کلیم اللہ  
نگران شعبہ رسائل و جرائد

مدیر

مولانا محمد الیاس گھمن

ایجنسی ہولڈرز ممبر لگائیں اور ہدیہ دینے والے اپنا نام لکھیں!



بیرون ممالک

امریکہ، اسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک  
35 ڈالر..... سالانہ

سعودیہ، انڈیا، متحدہ عرب امارات اور عرب ممالک  
25 ڈالر..... سالانہ

ایران، بنگلہ دیش 20 ڈالر..... سالانہ

● آپ یہ شمارہ آن لائن پڑھ اور ڈاؤن لوڈ  
بھی کر سکتے ہیں



[www.ahnafmedia.com](http://www.ahnafmedia.com)

سرکولیشن مینیجر

0332-6311808

Contact Us

قیمت فی شمارہ 20 روپے علاوہ ڈاک خرچ  
300 سالانہ زرخاوند روپے

[www.ahnafmedia.com](http://www.ahnafmedia.com)  
[mag@ahnafmedia.com](mailto:mag@ahnafmedia.com)

مرکز اہل السنۃ والجماعت سرگودھا

## فہرست

3 ----- محرم اور قیام امن

..... اداریہ

4 ----- ماہِ محرم ؛ فضیلت و احکام

..... ترتیب و عنوانات: مفتی شبیر احمد حنفی

36 ----- خلافتِ فاروقی کے چند مثالی واقعات

..... نعیم خان

## محرم اور قیام امن

کھ..... ادارہ

مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر زمینی حقائق کا جب جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ سنی علماء اور عوام، گورنمنٹ اور قانون نافذ کرنے والے ادارے محرم میں امن کے قیام کے معاملے میں مخلص ہیں۔ جبکہ بعض اہل تشیع علماء و ذاکرین اپنے عوام کو سنی علماء اور عوام کے خلاف بھڑکاتے ہیں اور اپنی اشتعال انگیز تقاریر سے سنی علماء اور عوام کے دل زخمی کرتے ہیں۔ ذکرِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی آڑ میں اسلام کے پہلے تین منتخب خلفاء کرام (سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہم) پر سب و شتم، ان کو ماں بہن کی ننگی گالیاں اور العیاذ باللہ ان کو کافر و مشرک اور جہنمی کہتے ہیں، سیدہ فاطمہ اور سیدہ سکینہ و زینب رضی اللہ عنہن کے مبارک تذکرے کے عنوان سے امہات المؤمنین بالخصوص سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما پر اتہامات و الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔ فضائل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر حب علی کم جبکہ بغض معاویہ زیادہ بیان کرتے ہیں۔ جس کے واضح ثبوت ریکارڈ پر موجود ہیں۔ اس لیے وفاقی اور صوبائی حکومتی ذمہ داران اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اس کا سدباب کریں اور ایسے مسلح گروہوں کو جو عبادت کے نام پر روڈ بلاک کرتے ہیں، اور شدت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں سنیوں کی مساجد، مکاتب، مدارس، کاروباری مراکز اور املاک کو جلاتے ہیں انہیں قانون کا پابند کیا جائے اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے ورنہ اگر سنی علماء کے کہنے پر سنی عوام اٹھ کھڑی ہوئی تو ملک خانہ جنگی کی دلدل میں ڈوب جائے گا۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے

## ماہِ محرم؛ فضیلت و احکام

کھ..... ترتیب و عنوانات: مفتی شبیر احمد حنفی

7 نومبر 2013 بروز جمعرات حضرت الشیخ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ نے خانقاہ اشرفیہ اختر یہ مرکز اہل السنۃ والجماعۃ 87 جنوبی سرگودھا میں منعقد ماہانہ مجلس ذکر سے خطاب فرمایا جس میں محرم کے فتنوں سے بچنا کے عنوان پر پر اثر گفتگو فرمائی اور چاروں سلاسل میں خلق خدا کو بیعت بھی فرمایا اس موقع پر حضرت والا کا بیان پیش خدمت ہے۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه  
ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن  
يضل فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا  
ومولانا محمدا عبده ورسوله. اما بعد فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ  
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ  
أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ.

(سورة المائدة: 51)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ  
تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ.

(سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4033)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ  
اِبْرَاهِيْمَ. اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى  
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ. اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ.

## دو قسم کے لوگ:

دنیا میں دو قسم کے لوگ موجود ہیں، بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات، اللہ تعالیٰ کی بات، اللہ کے احکامات اور عبادت کے قائل نہیں اور بعض وہ ہیں جو اللہ کی ذات بھی مانتے ہیں، اللہ کی بات بھی مانتے ہیں، اللہ کی عبادت بھی مانتے ہیں، اللہ کے احکامات بھی مانتے ہیں لیکن وہ لوگ جو اللہ کی ذات، بات احکامات کو مانتے ہیں ان میں پھر دو قسم کے لوگ ہیں۔

بعض لوگ وہ ہیں کہ جن کی عبادات کا رخ ٹھیک ہے اور بعض وہ ہیں جن کی عبادات کا رخ غلط ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کی عبادت نہ کرے، یا عبادت کو مانے لیکن رخ غلط ہو تو یہ دونوں ایک قسم کے افراد شمار ہوتے ہیں۔

1: ایک آدمی نماز مانتا ہی نہیں دوسرا نماز مانتا بھی پڑھتا بھی ہے لیکن بغیر طہارت کے پڑھتا ہے دونوں مجرم ہیں۔

2: ایک شخص نماز کو مانتا بھی نہیں، پڑھتا بھی نہیں، ایک نماز مانتا بھی ہے پڑھتا بھی ہے لیکن قبلہ کعبۃ اللہ کی بجائے مخالف سمت کو بنا لیتا ہے تو یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔

3: ایک شخص نماز کو مانتا ہی نہیں ہے اور دوسرا نماز کو مانتا ہے، پڑھتا بھی ہے لیکن کپڑے ناپاک پہن کر نماز پڑھتا ہے تو یہ دونوں ایک طرح کے ہیں۔

تو وہ لوگ جو اللہ کی ذات اور اللہ کی عبادات کے قائل نہ ہوں وہ بھی کافر ہیں اور جو اللہ کی ذات و عبادات کے قائل تو ہیں لیکن جیسے اللہ چاہتے ہیں ویسے قائل نہیں ہیں بلکہ جیسے خود چاہتے ہیں ویسے قائل ہیں تو مسلمان یہ بھی نہیں ہیں۔

## آسمانی مذاہب:

اس وقت دنیا میں وہ مذاہب جن کو کسی درجہ میں آسمانی مذاہب کہتے

ہیں۔ ان میں معروف مذاہب یہ چلتے ہیں۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام۔ یہ دنیا میں مشہور ہیں۔

یہودی تورات کو مان رہے ہیں۔

عیسائی انجیل کو مان رہے ہیں۔

مسلمان قرآن کریم کو مان رہے ہیں۔

بلکہ اگر اس میں تھوڑا سا فرق کر دیا جائے تو ہم یوں کہیں گے کہ یہودی وہ ہیں جو صرف تورات کو مانتے ہیں، انجیل، تورات اور قرآن کو نہیں مانتے۔ دوسرے الفاظ میں یہودی وہ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے۔

عیسائی وہ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو مانتے ہیں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے۔

اور مسلمان وہ ہیں جو تورات کو بھی مانتے ہیں، انجیل کو بھی مانتے ہیں قرآن کریم کو بھی مانتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی مانتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مانتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مانتے ہیں۔ فرق کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے دور کے نبی مانتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتے ہیں، تورات اور انجیل کو آسمانی کتاب مانتے ہیں لیکن پہلی کتابیں مانتے ہیں اور قرآن کریم کو آخری کتاب مانتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات تھیں لیکن محفوظ نہیں ہیں، قرآن کریم کی تعلیمات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تھیں اور محفوظ بھی ہیں۔

## پہلی کتب محفوظ کیوں نہیں؟

اگر کسی بندے کے ذہن میں یہ بات آئے کہ موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات محفوظ کیوں نہیں ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات محفوظ کیوں نہیں ہیں، تورات آسمانی کتاب ہے تو لوگوں نے اسے کیوں بدل دیا ہے، انجیل آسمانی کتاب ہے تو لوگوں نے اسے کیوں بدل دیا ہے، تورات میں تحریف کیوں ہو گئی، انجیل میں تحریف کیوں ہو گئی ہے، اللہ پاک اگر قرآن کی حفاظت فرما سکتے ہیں، تو تورات، انجیل کی بھی فرما سکتے ہیں۔ کسی کے ذہن میں اگر یہ سوال آئے تو اس کا بڑا آسان اور صاف جواب یہ ہے کہ چونکہ اس وقت تورات کی ضرورت نہیں ہے اس لیے محفوظ رکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، انجیل کی ضرورت نہیں ہے تو محفوظ رکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے تو جس کی ضرورت تھی محفوظ اسے رکھتے ہیں ناں! جس کی ضرورت نہیں ہے اس کو محفوظ رکھ کر آپ کریں گے کیا؟

چونکہ قرآن کریم وہ ساری ضرورتیں پوری کرتا ہے جو تورات اور انجیل سے ہوتی تھیں بلکہ اس سے بڑھ کر اضافی ضرورتیں بھی پوری کر دیتا ہے اس لیے ان انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات محفوظ نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات محفوظ ہیں اور یہ تا قیام قیامت محفوظ رہیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

## مرضیٰ جاناناں چاہیے:

میں یہ بات سمجھا رہا تھا کہ ہم اپنے ذہن میں یہ بات بٹھائیں کہ ہم اللہ کی ذات بھی مانتے ہیں، اللہ کی عبادت بھی مانتے ہیں، احکامات بھی مانتے ہیں، اللہ رب العزت کی پیدا کردہ مقدس شخصیات کو بھی مانتے ہیں۔ لیکن عبادت ایسے کرنی ہے کہ عبادت خالص ہو، کلمہ ایسے پڑھا ہے کہ کلمہ خالص ہو، توحید ایسی کہ توحید خالص ہو



اس کے بارے میں قرآن کریم میں آیات بھی موجود ہیں اور احادیث مبارکہ بھی موجود ہیں۔

اگر ایمان کی بات کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے خالص ایمان کی بات کی ہے اور ”مخلصین“ کا لفظ بھی ہے ”حنفاء“ کا لفظ بھی ہے۔ ابھی مغرب کی نماز میں جو میں تلاوت کی ہے اس میں بھی یہی بات تھی۔ قرآن کریم نے ”مخلصین“ بھی فرمایا اور ”حنفاء“ بھی ”مخلص“ کا معنی بھی خالص ہے اور حنیف کا معنی بھی خالص ہے۔ فرمایا: **وَاتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا**

(سورۃ النساء: 125)

[ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کیجیے جو یکسو تھے]

ابراہیم علیہ السلام کو ”حنیف“ کیوں فرمایا؟ حنیف اسے کہتے ہیں کہ جس میں باطل کا شبہ بھی نہ ہو، باطل کی ذرہ برابر ملاوٹ نہ ہو اور اخلاص اسے کہتے ہیں جس میں ملاوٹ نہ ہو۔ حنیف وہ ہے جس میں ملاوٹ نہ ہو۔

ہر عمل خالص:

اللہ کو عبادت وہ چاہیے جو باطل سے صاف ہو، اللہ کو دین وہ چاہیے جو دین باطل سے بالکل صاف ہو، دین بھی خالص ہو اور دین والا بھی مخلص ہو۔ اس لیے کہ دین خالص ہو گا تو دین والا مخلص ہو گا تو دین والا مخلص بنے گا ناں!

اگر دین خالص نہیں ہو گا تو دین والا مخلص کیسے بنے گا؟ مخلص ہوتا ہے وہ ہے جس کے پاس خالص دین موجود ہو۔ حدیث مبارکہ میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ**

(المعجم الکبیر رقم: 5074)

صرف یہ نہیں فرمایا کہ: مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ  
 کہ جس نے بھی کلمہ پڑھا وہ جنت میں چلا جائے گا، نہ بلکہ فرمایا جس نے کلمہ  
 پڑھا اور اخلاص سے پڑھا وہ جنت میں جائے گا۔ اخلاص سے پڑھنے کا مطلب صرف یہ  
 نہیں ہے کہ ریاکاری نہ ہو اخلاص سے پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ کلمے کو ایسے مانے جیسے  
 کلمے والا چاہتا ہے۔

آج مسلمان بھی پڑھتے ہیں: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ مرزائی بھی  
 پڑھتے ہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ مسلمانوں کی مساجد پر بھی یہی کلمہ لکھا ہے  
 اور مرزائیوں کی عبادت گاہ پر بھی یہی کلمہ لکھا ہوتا ہے جب کہ پاکستان کا قانون موجود  
 ہے کہ کوئی قادیانی اپنی عبادت گاہ پر مسلمانوں والا کلمہ نہیں لکھ سکتا، اپنی عبادت گاہ  
 میں مسلمانوں والی اذان نہیں دے سکتا۔

دین کا درد ہو تو فہم بھی ہو:

بعض لوگ جن کے پاس دین کا درد ہوتا ہے لیکن دین کی سمجھ نہیں  
 ہوتی، دین کا درد ہوتا ہے لیکن دین کا علم نہیں ہوتا، دین کا درد ہوتا ہے لیکن دین کا فہم  
 نہیں ہوتا تو یہ پھر دین کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں ایسے لوگ کہتے ہیں کہ ”مرزائی کلمہ  
 پڑھتے ہیں تو ہمیں خوش ہونا چاہیے کہ ہمارا کلمہ پڑھ رہے ہیں:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

اگر مرزائی ہمارے والی اذان دیتے ہیں تو ہمیں خوش ہونا چاہیے، تم عجیب  
 مولوی ہو کہ وہ صحیح کلمہ پڑھیں تو وہ بھی نہیں پڑھنے دیتے، صحیح اذان دیں تو وہ بھی  
 نہیں دینے دیتے۔“ ہم کہتے ہیں کہ وہ کلمہ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ پڑھتے ہیں

اپنا کرتے ہیں۔ مرزائی جب: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ پڑھیں ان کے ہاں محمد رسول اللہ وہ نہیں ہیں۔ جن کا کلمہ ہم پڑھتے ہیں بلکہ ان کے ہاں اس ”محمد“ سے مراد ”مرزا غلام احمد“ قادیانی ملعون کی ناپاک ذات ہے۔ اب بتاؤ کلمے کا لفظ ٹھیک پڑھا ہے اور معنی ٹھیک نہیں لیا تو مسلمان ہو سکتے ہیں؟ مسلمان نہیں ہو سکتے۔

### اہل قبلہ کون ہیں:

اس لیے ایک بات سمجھیں کہ ہمارے ہاں فقہاء کی اصطلاح ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کریں، اہل قبلہ کو کافر نہ کہیں۔ بعض لوگ اس جملے کو نہیں سمجھتے تو پھر وہ یہ بات کہہ گزرتے ہیں کہ جی! قادیانی بھی تو اہل قبلہ ہیں، جو ہمارا کعبہ ہے وہی ان کا ہے، رافضی بھی تو اہل قبلہ ہیں جو ہمارا قبلہ ہے وہی ان کا ہے، فلاں بھی تو اہل قبلہ ہیں جو ہمارا قبلہ ہے وہی ان کا ہے، تو جب فقہاء نے کہا کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کریں تو ان کا قبلہ چونکہ ہمارے والا قبلہ ہے تو پھر آپ کیوں کہتے ہیں کہ یہ مسلمان نہیں ہیں۔ ہم نے کہا کہ فقہاء نے جو اہل قبلہ فرمایا تو یہ اہل قبلہ فقہاء کی ایک اصطلاح ہے اس اصطلاح کا مخصوص معنی ہے، اہل قبلہ سے مراد یہ ہے کہ ان کے نظریات وہ ہوں جو کعبہ والوں کے ہیں، ان کے عقائد وہ ہوں جو کعبہ والوں کے ہیں، یہ اہل قبلہ ہیں۔ اگر کعبہ والے نبی کے عقائد اور ہیں اور ان کے اور ہیں تو ان کو فقہاء کی اصطلاح میں اہل قبلہ نہیں کہہ سکتے۔

### لفظ ایک، معانی مختلف:

بسا اوقات ایک ہی لفظ ہوتا ہے، ہم بولیں تو معنی اور ہوتا ہے، فقہاء بولیں تو معنی اور ہوتا ہے۔ میں اس کی دو چار مثالیں دیتا ہوں۔ آپ بات سمجھیں لیں۔

## مثال نمبر 1:

جب آپ تبلیغی جماعت میں جائیں۔ درمیان میں ایک بات یاد آگئی کہ رائیونڈ کا ماحول پریشان کن ہے، وہاں شدید بارش ہے تو تمام حضرات دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ماحول کو صاف فرمادیں، بارش رک جائے، موسم ٹھیک ہو جائے تاکہ اجتماع کو اللہ تعالیٰ کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔ جب جماعت میں جائیں اور گشت پہ نکلیں تو اس میں ایک امیر ہوتا ہے، ایک رہبر اور ایک کو متکلم کہتے ہیں کہ جماعت میں یہ بھائی رہبر ہوں گے، یہ امیر ہوں گے اور یہ متکلم ہوں گے۔ اب وہاں ”متکلم“ کا معنی کیا ہوتا ہے کہ جو یہ بات کرے کہ ہم سب نے کلمہ پڑھا ہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ اس کلمے میں اللہ پاک سے وعدہ کیا ہے اے اللہ تیرے حکم مانیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر چلیں گے اور اس کے لیے محنت کی ضرورت ہے اور مسجد میں جماعت آئی ہے محنت پہ بات ہو رہی ہے آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں۔ تو متکلم کا یہی معنی ہوتا ہے ناں اور تو کوئی معنی نہیں اور جب علماء میں کہیں کہ فلاں بندہ ”متکلم“ ہے تو کیا معنی کہ وہ چھ نمبر بیان کرتا ہے؟! [نہیں: سامعین] وہاں متکلم کا معنی ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ بیان کرتا ہے اور گفتگو کرتا ہے۔ اب فقہاء اور علماء کی اصطلاح میں متکلم کا لفظ عقائد پر بولا جاتا ہے۔ یہاں متکلم کا معنی اور ہے اور گشت میں نکلیں تو متکلم کا معنی اور ہے۔ لفظ تو ایک ہی ہے لیکن دیکھیں معنی بدل جاتا ہے۔

## مثال نمبر 2:

آپ دیہات میں ہوں اور آپ کے پاس کوئی مہمان آئے، آپ اس سے پوچھیں: پانی پینا ہے؟ تو وہ کہے جی! سادہ پانی لاؤ۔ تو سادے پانی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شربت نہ دو، اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ٹھنڈا نہ دو اور جب شہر جائیں اور کہیں جی سادہ

پانی لاؤ۔ تو اب مطلب ہوتا ہے کہ ٹھنڈا نہ دو۔ اب دیکھو لفظ ایک ہی ہے۔ دیہات میں آکر کہو کہ جی سادہ پانی اس کا معنی ہے کہ شربت نہ دو اور آپ لائیں نلکے کا پانی تو وہ کہے گا کہ یار! ایڈاوی سادہ نہ دیو! [اتنا بھی سادہ نہ لاؤ] ایدے وچ برف پا، اینوں ٹھنڈا کر کے لے آ [اس میں برف ڈالو اور اسے ٹھنڈا کر کے لاؤ]

اب دیہات میں سادے پانی کا معنی شربت نہ ہو اور شہر میں سادے پانی کا معنی ٹھنڈا نہ لفظ تو ایک ہی ہے۔

### مثال نمبر 3:

آپ ہمارے پاس آئیں اور ہم کہیں حافظ صاحب کو بلانا، تو حافظ صاحب کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس عالم کو بلاؤ جو قرآن کا حافظ ہے اور کسی دیہات میں بیٹھ کر کہیں حافظ جی نوں بلانا [کسی حافظ جی کو بلانا] اب اس کا معنی یہ ہو گا کہ نابینا کو بلاؤ۔ اب ایک جگہ حافظ کا معنی حافظ قرآن ہے اور دوسری جگہ حافظ کا معنی نابینا ہے۔

لفظ ایک ہی ہوتا ہے لیکن خاص معاشرہ بدلنے سے اس کا معنی بالکل بدل جاتا ہے۔

### مثال نمبر 4:

ہمارے پنجاب میں کہو ناں ”ماما“ تو لوگ سمجھتے ہیں گالی دی اور خیبر پختونخواہ میں کہو ”ماما“ تو سمجھتے ہیں عزت کی ہے۔ وہاں ”مامے“ کا لفظ تعظیم کے لیے اور یہاں ”مامے“ کا لفظ گالی ہے۔ تو کہتے ہیں ناں تو ماما لگنا ایں [آپ مامے لگتے ہو] دیکھو، یہاں گالی سمجھتے ہیں۔

میں سمجھا صرف یہ رہا ہوں کہ لفظ ایک ہوتا ہے لیکن اس کا مفہوم بدلتا ہے تو جب فقہاء اہل قبلہ کہیں تو اہل قبلہ کا خاص معنی ہے، اہل قبلہ تو فقہاء کہیں اور معنی ہم

بیان کریں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کلمہ دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور معنی بیان کریں قادیانی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جس نبی نے کلمہ دیا ہے، اسی نبی نے معنی دینا ہے، جس نبی نے قبلہ بتایا ہے اس نبی نے اہل قبلہ کا معنی بھی دینا ہے۔

میں بات صرف یہ سمجھا رہا تھا کہ عبادت چاہیے تو خالص، دین چاہیے تو خالص۔ دو باتوں کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ میری بات سمجھو اچھی طرح۔ یہ ہمارا درد اور ہماری دعوت پوری دنیا کی ہے، بعض لوگوں کے پاس دین کا درد بہت ہوتا ہے علم نہیں ہوتا تو دین کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیتے ہیں،

### باز والا واقعہ:

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک واقعہ سناتے تھے، آپ نے سنا ہو گا حکیم الامت فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھی عورت کے گھر میں رات کو باز گرا اس نے باز کو پکڑ لیا۔ اب چونکہ بوڑھی تھی دل میں درد تھا اور بیچاری بہت محبت کرنے والی تھی اس نے باز کو دیکھا تو اس کو باز پر بڑا ترس آیا۔ اس نے کہا دیکھو کتنا عرصہ گزر گیا ہے لگتا ہے عید پر بھی اس کی کسی نے حجامت نہیں کی، پورا سال گزر گیا ہے اس نے قینچی لی اور اس کے زائد بال کاٹ دیئے۔ اس نے باز کی حجامت کر دی۔ جس طرح بیٹے کی حجامت کی جاتی ہے۔ اس نے بیٹے والا پیار اسے دیا اور اس کی حجامت کر ڈالی، اس نے قینچی سے اس کے ناخن تراش دیے، اور کہا کہ دیکھو اس کی چونچ! کتنا پریشان ہوتا ہو گا یہ دانہ کھاتے وقت، اس نے قینچی سے اس کی چونچ ختم کر دی۔

اب بتاؤ بوڑھی مخلص تھی یا نہیں؟ دکھ درد بھی تھا، باز سے محبت بھی تھی،

اس نے کتنی شفقت باز پہ کی ہے لیکن نہ باز اب اڑنے کے قابل ہے، نہ باز کھانے کے قابل ہے، نہ باز شکار کے قابل ہے۔

یہی ظلم آج دین کے ساتھ ہو رہا ہے۔ لوگ دین کا درد رکھتے ہیں دین کے مٹنے کا غم رکھتے ہیں لیکن دین کا علم نہیں ہے، دین کا فہم نہیں ہے اس لیے دین کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیتے ہیں، میری بات سمجھ رہے ہیں؟ [جی ہاں: سامعین] تو جہاں دین کا درد ہونا ضروری ہے وہاں دین کا صحیح علم ہونا بھی ضروری ہے۔

### تبلیغی محنت ہماری محنت ہے:

رائیونڈ ہمارا بہت بڑا مرکز ہے تبلیغی جماعت کا بہت بڑا کام ہے، لیکن میں ساتھیوں سے ایک بات کہتا ہوں یہ بات اچھی طرح سمجھ لو۔ تبلیغ والے دین کا درد دیتے ہیں، مدارس دین کا علم دیتے ہیں۔ اس لیے دونوں کو مانو، تبلیغی کو بھی مانو اور مدارس کو بھی مانو، ایک کو بھی چھوڑ دیں گے تو نقصان ہو گا۔ درد پیدا کرنا بھی ضروری ہے اور جس کے اندر دین کا درد ہو اس کو دین کی صحیح رہنمائی بھی ضروری ہے ورنہ یہ آدمی دین کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دے گا۔ علماء کو معاشرے سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ مسلسل اپنی آواز لگانی چاہیے۔ اللہ پاک کام کے نتائج عطا فرمادیتے ہیں، میں نے آج کی مجلس میں ایک بات آپ کو سمجھانی ہے جس کے لیے میں ساری تمہید باندھ رہا ہوں، جو لوگ عبادات یا اللہ کی ذات کے قائل نہیں ہم کی بات نہیں کرتے، ان کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ آج فکر زیادہ اس بات کی کرنی ہے کہ جو لوگ اللہ کی ذات کو بھی مانتے ہیں، عبادات کو بھی مانتے ہیں وہ دین پر عمل کریں تو ایسے کریں جیسے اللہ چاہتا ہے، ایسے عمل کریں جیسے اللہ کا رسول چاہتا ہے۔ اپنی مرضی اس کے اندر شامل نہ کریں، اپنی رائے کو اس کے اندر شامل نہ کریں۔

## محرم پہلا اسلامی مہینہ:

آج محرم کی 3 تاریخ ہے۔ محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ ”محرم“ کا معنی ہے ”حرمت والا“، یہ ہمارے شیخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمہ اللہ بڑے پیارے جملے فرماتے تھے، حضرت فرماتے اسلامی پہلا مہینہ محرم ہے اور انگریزی پہلا مہینہ جنوری ہے۔ جنوری جانور سے بنا ہے محرم حرمت سے بنا ہے ان کا پہلا مہینہ جانوروں والا ہے۔ اور ہمارا پہلا مہینہ ہے محرم یعنی حرمت والا۔ اب یہ سال کا پہلا مہینہ ہے اور سال کے بارہ مہینے ہیں۔ ہمیں ان کے نام بھی یاد رکھنے چاہئیں۔ انگریزی مہینوں کا حساب رکھنا غلط نہیں جائز ہے، انتظامی امور میں رکھ سکتے ہیں لیکن شریعت کے جتنے مسائل ہیں ان کا مدار انگریزی مہینوں پر نہیں ہے، ان کا مدار اسلامی مہینوں پر ہے۔ مثلاً میں دو چار احکام پیش کرتا ہوں۔

## اسلامی احکام کی بنیاد:

1: سال میں ایک مرتبہ رمضان کے پورے مہینے کا روزہ فرض ہے، اب رمضان کا حساب قمری کے حساب سے لگائیں گے یا انگریزی کے حساب سے؟ [قمری حساب سے: سامعین] چاند نظر آئے گا تو رمضان ہے نظر نہیں آئے گا تو رمضان نہیں ہے، اس لیے رمضان المبارک کے روزوں کا تعلق چاند کی بنیاد پر ہے سورج کی بنیاد پر نہیں ہے۔ انگریزی مہینوں کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اسلامی مہینوں کی بنیاد پر ہے۔

2: عید الفطر کی بنیاد بھی انگریزی تاریخوں پر نہیں ہے بلکہ اسلامی تاریخوں

پر ہے۔

3: عید الاضحیٰ کی بنیاد بھی اسلامی مہینے پر ہے انگریزی تاریخوں پر نہیں ہے۔

4: سال میں حج کے فریضے کی بنیاد جن دنوں میں ہے وہ اسلامی مہینے کی بنیاد



پر ہے انگریزی مہینے کی بنیاد پر نہیں ہے۔

5: قربانی کا تعلق بھی اسلامی ماہ کی بنیاد پر ہے انگریزی مہینے کی بنیاد پر قطعاً نہیں ہے۔

6: جو زکوٰۃ ہم نے دینی ہے جو ایک سال کے بعد فرض ہوتی ہے یہ جو سال کے مہینے گنتے ہیں انگریزی نہیں گنتے بلکہ اسلامی مہینوں کو گنتا ہے، اس کا ہمیشہ خیال رکھیں۔

7: عورت کا معاملہ ہے کہ خدا نخواستہ عورت کا خاوند فوت ہو جاتا ہے اس کے بعد جو عدت چلتی ہے چار ماہ اور دس دن، یہ چار ماہ اور دس دن انگریزی حساب سے نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی مہینوں کے حساب سے ہے۔

میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ ان سب چیزوں کی بنیاد اسلامی مہینوں پر ہے نہ کہ انگریزی مہینوں پر اور یہی وجہ ہے کہ جب قرآن مجید آپ کھول کر دیکھیں تو قرآن ایسی پتے کی بات کرتا ہے کہ بندہ عیش عیش کر اٹھتا ہے۔

چاند کیا ہے؟

قرآن کریم میں: یَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاٰهْلِةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَٰجِجِ  
(سورة البقرة: 189)

اے نبی! آپ سے لوگ چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ ان کو یہ جواب دیں کہ یہ عام کاموں کے وقت اور حج کے وقت مقرر کرنے کے لیے ہے۔

پوچھا گیا تھا کہ چاند کیا چیز ہے؟ یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ کیا چیز ہے بلکہ جواب یہ دیا گیا کہ یہ کس لیے ہے؟ یہ بتائیں کہ چاند کیا ہے؟ اس سے تو کوئی خاص فائدہ نہیں ہو گا لیکن یہ بتائیں کس لیے ہے؟ اس سے لوگوں کا فائدہ ہے۔

اب لوگ جارہے ہیں چاند پر تحقیق کرنے کے لیے، تحقیق ہو رہی ہے کہ چاند کیا ہے؟ اس کا میٹرل کیا ہے؟ مخلوق کون سی ہے؟ چاند پر کون رہتا ہے؟ سانس لے سکتے ہیں کہ نہیں؟ آبادی ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ لوگ اس پر تحقیق کر رہے ہیں کہ چاند کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا ہم سے یہ پوچھو کہ چاند کس لیے ہے حقیقت سے تمہیں کیا تعلق؟ تم یہ دیکھو کہ چاند سے متعلقہ جو احکام ہیں ان پر عمل کرنا ہے۔ دنیا میں کسی شخص کو پتہ نہ چلے کہ چاند کیا چیز ہے، اس سے ایمان میں کچھ نقصان نہیں آتا۔ لیکن اگر یہ نہ پتہ چلا کہ چاند سے کیا کیا احکام وابستہ ہیں اب ایمان کا مسئلہ بہت نازک بن جائے گا۔

### محرم امن کا مہینہ:

میں صرف یہ بات سمجھا رہا تھا۔ محرم ہمارا پہلا مہینہ ہے۔ جب یہ پہلا مہینہ ہے تو اس میں عبادات خالص کرنی چاہئیں۔ کفر نے اتنی محنت کی ہے کہا بتداء سال سے مہینہ جیسے شروع ہوتا ہے لوگ اس قدر تباہی اور واہی پھیلاتے ہیں کہ اللہ محفوظ فرمائے۔ اسلام جس قدر امن دیتا ہے دنیا کوئی مذہب اس قدر امن دینے کے لیے تیار نہیں۔ اور محرم کا معنی ہے حرمت والا۔

یہ تو مہینہ ہی امن کا ہے لیکن ہمارے ہاں ابھی مہینہ شروع بھی نہیں ہوتا کہ پورے ملک میں پولیس الٹ ہو جاتی ہے، کرفیو لگ جاتا ہے، فوج آ جاتی ہے، رینجرز آ جاتی ہے۔ کیوں؟ محرم جو آگیا ہے۔ بھائی محرم امن کا مہینہ تھا یا لڑنے کا؟ دیکھو سازش ہمارے خلاف کتنی ہوئی ہے؟ جو مہینہ امن کا تھا اس کو لڑائی کا بنا دیا۔ جو مہینہ عبادت کا تھا اس کو شرارت کا بنا دیا۔ جو مہینہ سکون کا تھا اسے فساد کا بنا دیا۔ اور ہم اس میں خواہ مخواہ شریک ہو جاتے ہیں۔

## ہم امن چاہتے ہیں:

ہمارے مرکز اہل السنۃ والجماعۃ کی پالیسی ہوتی ہے کہ اس موقع پر شرارت سے بچیں اور امت کو لڑائی سے محفوظ رکھیں۔ میں نے چونکہ کل قصور جانا تھا، میرے پاس پہلے قصور [ایک شہر کا نام ہے] سے فون آیا، پھر سرگودھا سے فون آیا کہ ڈی پی او نے فلاں مولانا صاحب کے ذمے لگایا ہے کہ مولانا صاحب کی منت کریں، یہ آپ کا احسان ہوگا آپ کل قصور نہ جائیں میں نے کہا بھائی میرے جانے سے کیا ہوگا؟ ان سے جا کر کہہ دو اگر میرے نہ جانے سے خوش ہو تو میں نہیں جاتا۔ آج پھر فون آیا کہ ہمارے قصور کے ایم این اے گئے ہیں، انجمن تاجران کے صدر گئے ہیں اور بہت سے علماء گئے ہیں ڈی پی او سے مذاکرات ہوئے ہیں۔ اس نے کہا آئی جی صاحب رات قصور آئے تھے انہوں نے کہا ہے کہ مولانا صاحب سے کہو: ابھی محرم میں رک جائیں بعد میں جب چاہیں جلسہ کر لیں۔ میں نے کہا: ابھی جانا کوئی ضروری تو نہیں ٹھیک ہے ہم بعد میں چلے جائیں گے۔

آپ اندازہ کریں کہ ہم امن کی بات بھی کرتے ہیں، فساد ہی پھر بھی شمار ہوتے ہیں۔ کس قدر باطل کی محنت ہے۔ لیکن کام کرنے والوں کو دل بڑا رکھنا چاہیے۔ پروپیگنڈے کا مثبت جواب دینا چاہیے۔ اور بلاوجہ مزید لڑائی پیدا کر کے اپنے ملک کو برباد نہیں کرنا چاہیے ہمیں اپنے ملک کے امن کا خیال رکھنا چاہیے کیونکہ ہم نے ملک بنایا ہے ہم ہی ملک بچانا ہے۔ بنایا بھی ہمارے اکابر نے ہے تو بچانا بھی ہم ہی نے ہے۔ کچھ قربانیاں بنانے میں لگ گئیں ہیں کچھ قربانیاں بچانے پہ لگ جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو پاکستان بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ کریم ان سب کو ختم فرمادے جو ملک کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔

## کیم محرم شہادت عمر رضی اللہ عنہ:

خیر میں عرض کر رہا تھا کہ پہلا مہینہ محرم کا ہے ہمیں اسلامی مہینوں کا خیال کرنا چاہیے۔ دوسری بات یہ ذہن میں رکھیں کہ اسلامی مہینے کا آغاز کیم محرم سے ہے۔ کیم محرم کو شہادت ہوئی ہے تاریخ اسلامی کے سب سے بڑے جرنیل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی۔ کیم محرم اور شہادت کا دن ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ تکوینی طور پر کہ مسلمان کو پوری کوشش کرنی چاہیے کہ جان بچے لیکن اگر اللہ کے دین کے لیے جان دینی پڑے تو اس پر روئے بھی ناں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ آپ نے سنا ہو گا میں صرف ایک جملہ کہتا ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک عجیب و غریب دعا مانگے کرتے تھے۔ اللھم ارزقنی شہادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک (صحیح بخاری رقم 1890)

اے اللہ مجھے اپنے راستے کی شہادت دے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کی موت دے یعنی شہادت بھی ملے اور مدینہ میں ملے۔ اب دیکھو کتنی عجیب دعا ہے کہ امیر المومنین ہیں، خلیفہ المسلمین ہیں اب مدینہ میں آکر کون ان پر حملہ کرے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی کوشش کی کہ محاذوں پر جاؤں لیکن صحابہ کرام ان کو روک دیتے تھے کہ آپ محاذوں پر نہ جائیں آپ یہاں ٹھہریں۔ آپ امیر المومنین ہیں، اگر آپ چلے گئے اور آپ کی جان کو نقصان ہوا تو بہت بڑا ناقابل تلافی نقصان ہو گا۔

## شہادت تیر انصیب ٹھہری:

چنانچہ آپ نے ایک دن مسجد نبوی میں خطبہ دیا: (ان فی جنات عدن قصر) اے لوگو! جنت عدن میں خدا نے ایک محل بنایا ہے۔ پھر آپ نے اس کی تفصیل بتائی

کہ (لہ خمسائة باب على كل باب خمسة آلاف من المحور العين) اس کے پانچ سو دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پانچ ہزار حور عین ہیں۔ پھر فرمایا (لا يدخله إلا نبی) اس محل میں صرف نبی جاسکتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا (هنيئاً لك يا صاحب القبر) حضور! آپ کو مبارک ہو، آپ اس محل میں جاچکے ہیں، پھر فرمایا: (أو صديق) یا اس محل میں صرف صدیق جاسکتا ہے۔ پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: (هنيئاً لك يا أبا بكر) اے ابو بکر آپ کو بھی مبارک، آپ بھی اس محل میں جاچکے ہیں۔ پھر فرمایا: (أو شهيد) یا اس محل میں شہید جاسکتا ہے۔ پھر فرمایا: (وأنى لك الشهادة يا عمر) اے تجھے! تمہیں شہادت کیسے ملے گی؟ یعنی نبی بھی چلا گیا، صدیق بھی چلا گیا، تو شہید ہو گا تو تب جائے گا، تو نہ شہید ہو گا نہ محل میں داخل ہو گا۔ اس لیے کہ تو محاذ پر جاتا نہیں ہے۔ اب بتا تجھے کیسے شہادت ملے گی؟ دیکھو! یہ حضرات شہادت کے کتنے متمنی تھے؟! پھر فرمانے لگے (ان الذی أخرجنی من مکة إلى هجرة المدينة لقادر علی أن یسوق إلى الشهادة) وہ اللہ جو عمر کو مکہ سے نکال کے مدینہ لایا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ عمر کو باہر لے کر نہ جائے باہر سے شہادت کو کھینچ کر مدینہ میں لائے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی: رقم الحدیث 9430)

اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں شہید ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں داخل ہو گئے۔ اب تینوں کی وہاں موجود ہے۔ پہلی قبر حضور علیہ السلام کی ہے، پھر تھوڑی سی آگے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے، اس کے بعد ذرا آگے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اب ایک جگہ خالی ہے وہاں ایک گول سوراخ بنا ہوا ہے، اس جگہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے

دفن ہونا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کے سب سے بڑے جرنیل تھے۔ اللہ نے انہیں شہادت کی موت نصیب فرمائی ہے۔ یکم محرم الحرام ان کی شہادت کا دن ہے۔

### صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو شہادت کیوں نہ ملی؟:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ درجہ بہت بڑے تھے مگر شہید نہیں ہوئے اور حضرت عمر بھی بہت بڑے تھے ساتھ شہید بھی ہوئے۔ اب اگر کسی کے ذہن میں یہ شبہ آئے کہ حضرت عمر کا مقام و مرتبہ سیدنا صدیق سے بڑا ہے شہادت کی وجہ سے تو یہ شبہ فضول ہے۔ کیوں؟ یہ بات توجہ سے سمجھنا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے شاید کوئی ایک بھی ایسا صحابی نہیں کہ جس کو مقام شہادت نہیں ملا، فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ شہادت کی حقیقت تمام صحابہ کو ملی ہے لیکن شہادت کی صورت کسی کو ملی ہے اور کسی کو نہیں ملی۔ ایک ہے شہادت کی حقیقت اور ایک ہے شہادت کی صورت شہادت کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اللہ کے راستے میں قتل ہونے کے لیے خود کو پیش کر دے اس کے لیے لڑتا بھی رہے پھر اگر اپنی موت بھی فوت ہو جائے تو تب بھی اس کو شہادت کی حقیقت مل گئی ہے۔ اللہ کے نبی کے فرمایا:

من سئل الله تعالى الشهادة بصدق بلغه الله تعالى منازل الشهداء وان مات على فراشه.

(صحیح مسلم رقم: 1909)

### صحابہ کرام اور حقیقت شہادت:

جو آدمی صدق دل سے شہادت مانگتا ہے وہ بستر پر مرے تب بھی شہید ہے صدق دل کا مطلب کیا ہے؟ یہ کہ جب ضرورت پڑے تو خود کو پیش بھی کرے یہ

مطلب نہیں کہ ضرورت کے وقت جائے بھی نہ۔ اب بتاؤ صحابہ میں کوئی ایسا تھا جس نے صدق دل سے شہادت نہیں مانگی [نہیں تھا۔ سامعین] اب حقیقت شہادت تو سب کو ملی ہے مگر کسی کو صورت بھی ملی اور کسی کو صورت نہیں ملی۔ اب یہ سمجھو کہ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو شہادت کی صورت کیوں نہیں ملی؟ اس کی حکمت یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق عکس نبوت تھے یاد رکھنا صحابہ کرام میں حضور علیہ السلام کا جو عکس تھا وہ سیدنا صدیق اکبر تھے۔ اللہ کے نبی نے شہادت مانگی ہے صورت نہیں ملی۔ اگر صدیق کو شہادت کی صورت بھی مل جاتی تو عکس نبوت نہ رہتے۔ اس لیے خدا نے حقیقت دونوں کو دی ہے صورت دونوں کو نہیں دی۔ صدیق چونکہ عکس نبوت تھے حضور ک پیچھے قدم بقدم چلتے تھے اس لیے اللہ نے پوری رعایت فرمائی ہے۔ میں اس لیے یہ شبہ دور کر رہا ہوں کہ کسی کے ذہن میں یہ نہ رہے کہ شاید سیدنا عمر کا مرتبہ حضرت صدیق اکبر سے زیادہ ہے۔

### عبادت اور احتجاج میں فرق:

تو یکم محرم سیدنا عمر کی شہادت کا دن ہے۔ اب ہمارے ہاں ایک رخ چلا ہے، وہ یہ کہ یکم محرم کو سیدنا عمر کی شہادت کا دن منایا جائے لیکن یاد رکھنا، اسلام میں شہادت کے ایام منانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس تاریخ کو دنیا میں جلوہ افروز ہوئے ہیں ہم اس دن کو منانے کی بات کرتے ہیں؟ [نہیں۔ سامعین] جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں ہم منانے کی بات کرتے ہیں؟ [نہیں۔ سامعین] تو جب نبوت کے آنے اور جانے کے ایام منانے کی بات نہیں کرتے، سیدنا عمر کا یوم شہادت منانے کی بات کیسے کر سکتے ہیں؟ بعض حضرات کے ذہن میں آئے گا کہ ہمارے مسلک کی فلاں فلاں جماعتیں تو ان

ایام کو منانے کی بات کرتی ہیں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ وہ جماعتیں ایام منانے کی بات اس لیے نہیں کرتیں کہ وہ اس کو عبادت سمجھتی ہیں بلکہ وہ اس لیے بات کرتے ہیں کہ پہلے دس محرم ہے، اب یکم محرم بھی ہو گا پہلے دس ہے 18 ذوالحجہ بھی ہو گا، پہلے دس ہے اب 21 رمضان المبارک بھی ہو گا، پہلے دس ہے اب 22 جمادی الثانی یوم صدیق اکبر بھی ہو گا۔ جب اتنے ایاموں پر جلوس نکلنا شروع ہو گا تو حکومت سوچنے پر مجبور ہو گی کہ یہ جلوس بند کرو۔ ہم کہیں گے کہ ہمارا بند کرتے ہو تو ان کا بھی بند کرو۔ ان کا نہیں کرتے تو ہمیں بھی کرنے دو۔ تو یہ عبادات کے جلوس نہیں ہیں یہ احتجاجی جلوس ہیں۔ احتجاج اور ہوتا اور عبادت اور ہوتی ہے۔ میں یہ بات بار بار کہتا ہے کہ شریعت کی منشاء ہمیشہ ذہن میں رکھا کرو۔ شریعت کا درد بھی ہونا چاہیے اور شریعت کا صحیح علم بھی ہونا چاہیے۔ درد میں شریعت کو بدلنا نہیں چاہیے۔ اس لیے اگر آپ ان جلوسوں میں شرکت کریں تو عبادت سمجھ کر نہیں بلکہ احتجاج سمجھ کر کریں۔ کیونکہ عبادت اور احتجاج میں بہت فرق ہے۔

### توضیح بالمثال:

آپ کا ایک بڑا عالم ہے، پولیس نے ناحق پکڑ کے اسے جیل میں بند کر دیا۔ آپ روڈ بلاک کرتے ہیں عبادت سمجھ کر یا احتجاج سمجھ کر؟ [احتجاج سمجھ کر: سامعین] کوئی بندہ آپ سے کہے حدیث میں دکھاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی روڈ بلاک کیا ہے؟ آپ کہو گے بھائی، ہم عبادت سمجھ کے تھوڑی کر رہے ہیں یہ تو ہمارا احتجاج ہے۔ ہم لڑنا نہیں چاہیے۔ مرنا نہیں چاہتے۔ حکومت کے قانون کو ہاتھ میں لینا نہیں چاہتے، ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں تھی بات منوانے کی۔ اس لیے یہ روڈ بلاک کر دیا ہے۔ اگر ہمارا مطالبہ پورا کر دیا جائے تو ہم ابھی یہ ختم کر



دیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ عبادت اور ہوتی ہے اور احتجاج اور ہوتا ہے۔ یہ وضاحت اس لیے کرتا ہوں کہ اگر آدمی یہ سمجھ لے تو پھر فتویٰ دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ ورنہ کبھی منانے والوں پر فتویٰ لگا دیتا ہے او کبھی نہ منانے والوں کو بزدل کہہ دیتا ہے، یہ بات اچھی طرح سمجھو۔ نہ نکلنے والوں پر خلاف شریعت کا فتویٰ لگاؤ اور نہ نکلنے والوں کو بزدل کہو۔ اعتدال پر رہو۔ ہر کام میں اعتدال کا راستہ اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔

### محرم کے احکام:

یہ محرم چونکہ پہلا مہینہ ہے اس لیے یہ پہلے سمجھو کہ شریعت کا منشاء کیا ہے؟ اس مہینے میں بعض کام ایسے ہیں جو کرنے کے ہیں اور بعض کام ایسے ہیں جو نہ کرنے کے ہیں۔ پہلے وہ کام سمجھ لیں جو کرنے کے ہیں۔

### روزہ رکھنا:

اس مہینے میں سب سے اہم کام ہے محرم کا روزہ رکھنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک ہے: افضل الصیام بعد شہر رمضان شہر اللہ المحرم (صحیح مسلم ج 1 ص 368)  
رمضان کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والا روزہ محرم کا ہے۔ یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔

اور دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

وصیام یوم عاشوراء احتسب علی اللہ ان یکفر السنۃ التی قبلہ۔

(صحیح مسلم ج 1 ص 367)

کہ آدمی نے ایک سال میں جتنے گناہ کیے ہیں یہ محرم کا روزہ رکھ لے اللہ تعالیٰ ایک سال کے سارے چھوٹے گناہ اس ایک روزے کی برکت سے معاف فرما دیں

گے۔ اب بتائیں کتنی بڑی فضیلت کی بات ہے۔

### دسویں محرم کے روزے کی ابتداء:

یہ روزہ چلا کہاں سے ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: (أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قدم المدينة) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ (فوجد اليهود صياماً يوم عاشوراء) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دس محرم کو یہودی روزہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: (ما هذا اليوم الذي تصومونه) یہ اس دن کا روزہ تم کیوں رکھتے ہو؟ یہودیوں نے کہا (هذا يوم عظيم)، یہ آج کا دن تو عظمت والا ہے (أنجي الله فيه موسى وقومه) دس محرم کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور اس کی قوم کو فرعون کے ظلم سے نجات عطا کی تھی۔ (وغرق فرعون وقومه) اور فرعون اور اس کی قوم دریا میں غرق کر دیا تھا، (فصامه موسى شكراً)، موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا۔ (فنحن نصومه)، ہم چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں اس لیے ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (فنحن أحق وأولى بموسى منكم) ہم تم سے زیادہ اس بات کے حقدار ہیں کہ جو کام سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کیا وہ ہم کریں، ہمارا تعلق موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تم سے زیادہ ہے۔ تم نے موسیٰ علیہ السلام کو نام سے مانا ہے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو دل و جان سے مانا ہے۔ تمہارا ماننا اور ہے ہمارا ماننا اور ہے۔ (فصامه رسول الله صلى الله عليه وسلم وأمر بصيامه) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور حکم بھی دیا کہ محرم کی دسویں کو روزہ رکھا کرو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 1130)

اللہ کے نبی نے عام اجازت دے دی تو صحابہ کرام نے روزہ رکھنا شروع کر دیا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روزہ رکھنا شروع کیا تو انہیں اشکال ہوا کہ یا رسول اللہ! (انہ یوم تعظمہ الیہود والنصارى) اس دن کی تو یہود اور نصاریٰ بہت تعظیم کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ کہ ہم دسویں محرم کا روزہ رکھیں اور یہود سے مشابہت ہو جائے، اب کیا کریں؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (فإذا كان العام المقبل إن شاء الله صمنا اليوم التاسع) میں زندہ رہا تو اگلے سال نو محرم کا روزہ بھی رکھوں گا۔ راوی فرماتے ہیں: (فلم يأت العام المقبل حتى توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم) آئندہ سال نہیں آیا تھا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 1134)

اسی طرح ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (صوموا يوم عاشوراء وخالفوا فيه اليهود) دسویں محرم کو روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔ پھر فرمایا: (صوموا قبله يوما وبعده يوما)

(مسند احمد: رقم الحدیث 2154)

دس محرم سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھو (تاکہ یہود کی مخالفت ہو جائے)

اغیار کی مشابہت سے بچو!

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس محرم کے روزہ کی بات بھی بتائی ہے اور فضیلت بھی بتائی ہے لیکن ساتھ یہ بھی تنبیہ فرمائی ہے کہ اپنی عبادت کو یہود کے مشابہ نہ ہونے دینا۔ یہود کی مشابہت سے بچا کے رکھنا۔ معلوم ہوا کہ عبادت کو

خالص کرنا بہت ضروری ہے، عبادت کو ملاوٹ سے بچا کے رکھنا بہت ضروری ہے۔ اللہ کی قسم؛ خالص عبادت اگرچہ تھوڑی ہو ملاوٹ والی عبادت سے گئی گنا بہتر ہوتی ہے۔ سنت عمل ہو، خالص عبادت ہو بے شک تھوڑی ہو یہ بہت افضل ہے اس عبادت سے جو ملاوٹ والی ہو اور بہت زیادہ ہو۔ اس لیے ہم سب اس بات کا اہتمام کریں کہ روزہ رکھیں۔ 9 اور 10 محرم کو یا 10 اور 11 محرم کو تاکہ یہود کی مخالفت نہ ہو اس میں دو باتیں سمجھنے کی ہیں۔

1: جس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت فرمائی ہو ہمیں عبادت کرنی چاہیے اور ساتھ اپنی عبادت کو ملاوٹ سے بھی بچانا چاہیے۔ سنن ابی داؤد کی حدیث ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من تشبه بقوم فهو منهم

(سنن ابی داؤد رقم: 4033)

جو آدمی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے قیامت کے دن اسی قوم سے اٹھایا جائے گا۔

اور قرآن کریم میں ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ

(سورة المائدة: 51)

اے ایمان والو! تم یہود اور نصرا نیوں کے ساتھ دوستی نہ رکھو وہ آپس میں دوست ہیں۔ جو تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ انہیں میں سے ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ [آمین۔ سامعین]

2: کالا کپڑا پہننا شرعاً گناہ نہیں ہے، پہن سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ کپڑا سفید ہے۔ اس لیے ہمیں بھی سفید کپڑے پہننے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

## آقا کا عمامہ:

کالی پگڑی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنی ہے اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول کالا عمامہ پہننے کا تھا۔ حتیٰ کہ جب مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر گئے ہیں اس وقت بھی کالا عمامہ سر پر تھا۔ حدیث مبارک میں ہے:

دخل مكة وعليه عمامة سوداء

(شمائل ترمذی)

شمائل ترمذی کی حدیث ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر کالا عمامہ تھا البتہ زرقانی میں روایت ہے امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کالی پگڑی پہنتے تھے اور بسا اوقات سفر میں سفید عمامہ پہنتے تھے۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ سفر میں تو کالی پگڑی پہننی چاہیے سفید تو میلی جلدی ہو جاتی ہے لیکن وہ سفر عرب کا تھا جو ریگستان کا علاقہ ہے وہاں مٹی نہیں ہوتی ریت ہوتی ہے اس لیے وہاں سفید پگڑی بھی اتنی جلدی میلی نہیں ہوتی۔ اس لیے ریگستان کا معاملہ اور ہوتا ہے اور عام زمینوں کا معاملہ بالکل الگ ہوتا ہے۔ میں اسی لیے کہہ رہا تھا کہ کالا کپڑا پہننا جائز ہے لیکن محرم کے دنوں میں کالا کپڑا کسی بھی صورت میں نہ مرد پہنے نہ عورت پہنے۔ کیوں؟ اس لیے کہ محرم کے دنوں میں کالا کپڑا پہننا خالص روافض کا شعار ہے روافض کا جھنڈا بھی کالا ہے باہر سے بھی کالے ہیں اور اندر سے بھی کالے ہیں۔ تو اس لیے اپنے آپ کو ان سے الگ رکھیں تاکہ اللہ دل کو بھی صاف رکھے۔ اللہ ظاہر کو بھی سفید رکھے۔ تو کالوں سے الگ رہیں۔ اپنا معاملہ صاف رکھیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت سے منع کیا ہے ہمیں بھی مشابہت

سے بچنا چاہیے۔ اب اچھی طرح سمجھ لو کہ کالاکپڑا پہننا اگرچہ جائز ہے لیکن محرم میں نہیں پہننا چاہیے کیوں؟ اس لیے کہ اس سے روافض کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔  
محرم میں سبیل کا حکم:

غریبوں کے لیے پانی کا انتظام کرنا جائز ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں کنواں خرید کے وقف کیا ہے، جائز ہے۔ عام زبان میں اس کو ”سبیل“ کہتے ہیں۔ آپ یہاں نکالگا دیں تاکہ لوگ پانی پیتے رہیں کوئی حرج نہیں، جائز ہے۔ لیکن پورے گیارہ مہینے سبیلیں نہ لگائیں اور صرف محرم کے دنوں میں سبیلیں لگائیں اس سے بچنا چاہیے، کیوں؟ اس لیے کہ اس سے روافض کے ساتھ مشابہت لازم آئے گی۔ پورے سال غریبوں کو کھانا نہ کھلانا صرف محرم کے دنوں میں دیگیں چڑھا کے تقسیم کرنے سے بچنا چاہیے کیوں؟ اس سے روافض اور شیعوں کے ساتھ مشابہت ہوگی پورے سال قبرستان میں نہ جانا صرف محرم کے دنوں میں وہاں جا کے صفائی کرنا، جھاڑو لگانا، قبر پر پھول رکھنا، ٹہنیاں توڑ کے قبر پر رکھنا، اور قبر پر پڑھتے رہنا، اس سے بچنا چاہیے کیوں؟ اس لیے کہ یہ روافض کا شعار ہے اہل السنۃ کا کام ہر گز نہیں۔ اہل السنۃ تو کہتے ہیں کہ کوئی دن متعین نہیں سال میں کسی بھی دن قبرستان جانا چاہو تو جاسکتے ہو۔

### آج کا ماحول اور عورتوں کا قبرستان جانا:

ایک مسئلہ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ آج کل عورتیں قبرستان جاسکتی ہیں یا نہیں؟ عورت اگر پردے کا مکمل اہتمام کرے اور وہاں جا کے نوحہ نہ کرے تو پھر فی نفسہ اس کے جانے کی گنجائش موجود ہے، جاسکتی ہے۔ لیکن اس دور میں زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ عورت قبرستان نہ جائے۔ دیکھو! ام المومنین امی عائشہ صدیقہ رضی

اللہ عنہا تو نماز کے لیے مسجد میں آنے والی عورتوں کے بارے میں فرما رہی ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے ان حالات کو دیکھ لیتے جو انہوں نے اختیار کر رکھے ہیں تو ان کو مساجد میں آنے سے روک دیتے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 869)

کہ حالات بدل گئے ہیں، لہذا اب اس دور میں قبرستان میں آنے کی کیسے اجازت دی جاسکتی ہے؟ جتنی گنجائش ہے ہم لڑتے نہیں ہیں لیکن سمجھاتے ضرور ہیں کہ عورت کو اس کام سے بچنا چاہیے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ روزہ بھی رکھیں لیکن جن کاموں سے روافض اور اہل بدعت کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے ان سے بچیں تاکہ ہماری عبادت خالص بنے، ہماری عبادت ملاوٹ والی نہ ہو۔ اس بات بہت زیادہ اہتمام فرمائیں اللہ کریم ہمیں محرم کا روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین: سامعین]

### گھر والوں پر وسعت:

ایک جو اور کرنے کا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ وَسَّعَ نَفْسَهُ وَعَلَى أَهْلِهِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَسَّعَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ سَائِرَ سَنَتِهِ

(کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال رقم الحدیث: 24258)

اللہ کے نبی نے فرمایا جو آدمی دس محرم کو اپنے اوپر اور اپنے گھر والوں پہ خرچ کرنے میں ہمت سے کام لے، دل کھول کر خرچ کرے تو اللہ پاک پورا سال وسعت رزق کے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں۔

اب دیکھو، یہ فضیلت غریبوں کو چاول کھلانے کی نہیں ہے یہ فضیلت اپنی بیوی اور بچوں کو کھلانے کی ہے۔ عام آدمی سمجھتا ہے کہ دس محرم کو چاولوں کی دیگ پکا

کر غریبوں کو کھلائیں گے تو ثواب ہو گا اور اگر اپنے گھر والوں کو کھلا دیئے تو پتہ نہیں گناہ ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فضیلت بیان فرمائی ہے یہ اجر دوسروں کو کھلانے پہ ملے گا یا اپنے بیوی بچوں کو؟ [اپنے گھر والوں کو: سامعین] لیکن ہمارا عام مزاج یہ ہے کہ ہم باہر چاول پکا کے کھانا عبادت سمجھتے ہیں لیکن گھر والوں پہ خرچ کرنے کو عبادت نہیں سمجھتے۔ کسی اور کو فروٹ دیں تو سمجھتے ہیں بہت سخی آدمی ہے اگر اپنے گھر والوں کو دیں تو سمجھتے ہیں سخاوت ہی نہیں ہے۔ تو جس طرح دوسروں کو کھلانا عبادت ہے اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو کھلانا بھی عبادت ہے۔ باہر والوں کو زردہ اور مٹھائی کھلانا ثواب ہے تو اپنے گھر والوں کو کھلانا بھی ثواب ہے۔ تو وسعت سے بڑھ کے خرچ نہ کریں البتہ دس محرم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سمجھ کر خرچہ نسبتاً بڑھا دیں۔ عام دنوں میں آلو ہیں تو آج گوشت پکالیں، عام دنوں میں چاول نہیں ہیں تو آج زردہ پکالیں۔ تو نسبتاً خرچہ بڑھائیں حد سے تجاوز نہ کریں اور یہ ذہن میں رکھ کے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دس محرم کو وسعت سے خرچ کرے گا اللہ پاک پورا سال اس کو وسعت سے عطا فرمائیں گے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے پہ ہمارا یقین ہونا چاہیے نا؟ [جی ہاں: سامعین] اللہ کریم ہمیں بات سمجھنے کی اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین: سامعین]

### ذکر حسین اور دیگر صحابہ کا احترام:

محرم کے دنوں میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کثرت سے ذکر ہوتا ہے لیکن حضرت حسین کی شہادت اور ذکر کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی بھی صحابی پر ہلکا سا تبرکنا اس کی شریعت میں کوئی بھی گنجائش نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ارحم



امتی بامتی ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر کے بارے میں فرمایا واشدھم فی امر اللہ عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان کے بارے میں فرمایا واصلدھم حیاء عثمان رضی اللہ عنہ، اور سیدنا علی کے بارے میں فرمایا واقضاهم علی رضی اللہ عنہ، کہ میری امت میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا صدیق ہے، دین کے معاملے میں سب سے زیادہ مضبوط میرا عمر ہے، حیاء میں سب سے آگے میرا عثمان ہے اور فیصلے صحیح کرنے میں سب سے آگے میرا علی ہے۔ آگے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واحلم واجود امتی معاویۃ، اور میری امت کا سب سے زیادہ بردبار اور سخی میرا معاویہ ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ کے بارے میں کتنے فضائل بیان فرمائے ہیں ان کے بارے میں ذرا سی میل بھی دل میں لانا انسان کو ایمان سے نکال دیتا ہے۔ اس لیے کبھی بھی کسی بھی صحابی کے بارے میں اپنے دل میں میل نہ لائیں۔ دل کو صاف رکھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے بعض کلمات ارشاد فرمائے ہیں اگر آدمی ان الفاظ پر توجہ کرے تو نبوت کے کلام کی بلاغت سمجھ آتی ہے۔

**فضائل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ:**

اللہ کے نبی نے فرمایا اللھم علیہ الكتاب والحساب وقہ العذاب

(مسند احمد رقم: 17192)

ذرا معافی پہ غور کرنا۔

1: اے اللہ میرے معاویہ کو قرآن کا علم دے یا لکھنے کا علم دے، کتاب کے دونوں معافی ہیں۔

2: اللہ اس کو حساب کا علم دے۔

3: اللہ اس کو عذاب سے بچا۔

یہ تین دعائیں کیوں دی ہیں؟ الفاظ نبوت کی بلاغت پہ غور فرمائیں، اللہم علمہ الكتاب، اے اللہ میرے اس معاویہ کو کتاب کا علم عطا فرما، کیوں؟ اس لیے کہ اس نے حاکم بھی بننا ہے۔ حاکم ہو اور عالم بھی ہو یہ بہتر ہے یا حاکم ہو اور عالم نہ ہو وہ بہتر ہے [حاکم ہو اور عالم بھی ہو یہ بہتر ہے۔ سامعین]

چونکہ اس نے حاکم بھی بننا ہے تو جس طرح حکومت اس کے ہاتھ میں ہو علم بھی اس کے ہاتھ میں ہو۔ یہ حکومت میں بھی محتاج نہ ہو اور علم میں بھی محتاج نہ ہو۔ پھر فرمایا والحساب، اللہ اس کو حساب کا بھی علم دے۔ کیوں؟

آدمی حاکم ہو اور خود حساب کرنا نہ جانتا ہو، منشیوں سے حساب کرائے تو دھوکے کا خطرہ ہوتا ہے ناں؟ اور خود حساب جانتا ہو، منشیوں کو چیک کرے تو دھوکے کا خطرہ نہیں ہے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دعائیں دی ہیں۔ اے اللہ اس کو حساب و کتاب کا علم دے تاکہ اس کو حکومت کے نظام میں کوئی دھوکا نہ دے سکے۔ پھر نبوت نے تیسری دعا دی۔ وقہ العذاب، اے اللہ میرا معاویہ انسان ہے اتنی بڑی حکومت کا نظام بھی چلانا ہے۔ اگر بحیثیت انسان اس سے کوئی خطا اور غلطی بھی ہو جائے تو اس کو عذاب سے محفوظ رکھنا۔ اس کی خطاؤں سے درگزر فرمالینا۔ دیکھو حضور علیہ السلام نے کیسی دعائیں فرما کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صاف فرما دیا ہے۔

علی معاویہ رضی اللہ عنہما بھائی بھائی:

بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں ادھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں آپس میں اختلاف ہوا جنگ ہو گئی۔ یہ ہو گیا، وہ ہو گیا۔ آپس ان بحثوں میں نہ پڑیں کیوں نہ پڑیں۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں: قتلاى وقتلى معاوية فى الجنة

(معجم کبیر رقم الحدیث: 688)

میری فوج کے شہید بھی جنتی ہیں اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج کے شہید بھی جنتی ہیں۔ جب سیدنا علی خود فرما رہے ہیں کہ کہ دونوں جنتی ہیں تو پھر آپ کو کیا تکلیف ہے؟ دیکھو یہ دونوں ہمارے بڑے ہیں۔ ان کے شہداء بھی ہمارے بڑے ہیں ہمیں ان کے بارے میں رتی برابر بھی دل میں میل نہیں رکھنی چاہیے۔ باپ اور چچا اگر کسی بات میں الجھ جائیں، لڑ بھی پڑیں، تو اولاد کو حق نہیں پہنچتا کہ باپ کو برا کہے یا چچا کو برا کہے، اولاد باپ کا احترام بھی کرے اور چچا کا احترام بھی کرے ان کو چھڑانے کی کوشش کریں۔ مسالے ڈال کر لڑائی کو بڑھانے کی کوشش نہ کرے۔ اللہ کریم ہمیں بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم باقی صحابہ کا بھی احترام کریں اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی احترام کریں اور امیر المومنین سمجھ کر کریں تاریخ اسلامی میں سب سے بڑی خلافت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پہ سارے صحابہ اور پوری امت جمع تھی اسی طرح سیدنا علی کی شہادت کے بعد اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کے بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پہ بھی تمام اہل اسلام جمع تھے تو یہ اتفاقی و اجماعی خلافت ہے اس کے بارے میں انسان چھوٹا ذہن نہ رکھے اور نہ ہی کسی شک کا شکار ہو۔ اللہ کریم ہمیں یہ بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یزید کے بارے میں ہمارا موقف:

باقی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد جو یزید اور حضرت حسین رضی اللہ

عنہ کا معاملہ ہے۔ اس کے بارے میں ہمارا اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ حضرت حسین برحق ہیں، حضرت حسین جنتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں۔ ہمارے سرکا تاج ہیں ان کی جوتیاں ہماری پگڑی سے افضل ہیں ان کے پاؤں کی خاک ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ سیدنا حسین ہمارے ایمان کا حصہ ہیں۔ ان کے مقابلے میں یزید فاسق ہے، فاجر ہے، ہم لعنت نہیں کرتے، کفر کے فتوے نہیں لگاتے، ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرتے ہیں لیکن فاسق اور فاجر کہتے ہیں۔

بعض لوگوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ جی یزید کے بارے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ یزید کے بارے میں توقف کریں، خاموش رہیں۔ جب امام کا موقف خاموش رہنا ہے تو پھر آپ کیوں کہتے ہیں فاسق و فاجر ہے؟ ان الفاظ کو اچھی طرح سمجھا کرو۔ حضرت امام صاحب نے جو یہ فرمایا کہ توقف کرو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جب ایک انسان کا خاتمہ ایمان پر ہو مگر وہ فاسق و فاجر تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی، بلکہ اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں ہو سکتا ہے اللہ اس کے نیک اعمال کے بدلے جنت دے ہو سکتا ہے برے اعمال کے بدلے جنت دے دے۔ توقف کا معنی یہ ہے کہ ہم جنتی و جہنمی ہونے کا فیصلہ نہ کریں یہ معنی نہیں کہ ہم فاسق و فاجر بھی نہ کہیں۔ فاسق کہنا اور ہے اور جہنمی ہونے کا فیصلہ کرنا اور ہے۔ تو توقف کا معنی یہ ہے۔

اللہ ہم سب کو حسینی بنائے، اللہ ہم سب کو صحابہ کا غلام بنائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری جماعت سے محبت کرنے والا بنائے اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

## خلافتِ فاروقی کے چند مثالی واقعات

کھ..... نعیم خان، لاہور

مسلمانوں نے اپنے جوش، ثبات اور استقلال کے باعث حضرت عمرؓ کے دس سالہ عہد خلافت میں روم ایران کی عظیم الشان حکومتوں کا تختہ الٹ دیا؛ لیکن کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ چند صحرا نشینوں نے اس قدر قلیل مدت میں ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہو؟ بے شبہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے تمام عالم کو تہ و بالا کر دیا؛ لیکن ان کے فتوحات کو فاروق اعظمؓ کی کشور ستانی سے کوئی مناسبت نہیں، وہ لوگ ایک طوفان کی طرح اٹھے اور ظلم و خونریزی کے مناظر دکھاتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف کو گزر گئے۔

چنگیز اور تیمور کا حال تو سب کو معلوم ہے، سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ اس نے ملک شام میں شہر صور فتح کیا تو ایک ہزار شہریوں کے سر کاٹ کر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے اور تیس ہزار بے گناہ مخلوق کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا، اسی طرح ایران میں اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا، برخلاف اس کے حضرت عمرؓ کے فتوحات میں ایک واقعہ بھی ظلم و تعدی کا نہیں ملتا، فوج کی خاص طور پر ہدایت تھی کہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں سے مطلق تعرض نہ کیا جائے، قتل عام تو ایک طرف، ہرے بھرے درختوں تک کاٹنے کی اجازت نہ تھی، مسلمان حکام مفتوحہ اقوام کے ساتھ ایسا عدل و انصاف کرتے تھے اور اس طرح اخلاق سے پیش آتے تھے کہ تمام رعایا ان کی گرویدہ ہو جاتی اور اسلام حکومت کو خدا کی رحمت تصور کرتی تھی، صرف یہی نہیں؛ بلکہ وہ لوگ جوش امتنان میں مسلمانوں کی اعانت و مساعدت سے دریغ نہیں کرتے

تھے، فتوحات شام میں خود شامیوں نے جاسوسی اور خبررسانی کی خدمات انجام دیں، (بلاذری: ۱۲۸) حملہ مصر میں قبطیوں نے سفر مینا کا کام کیا، (ایضاً!) اسی طرح عراق میں عجمیوں نے اسلامی لشکر کے لئے پل بندھوائے اور غنیم کے راز سے مطلع کر کے نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں، ان حالات کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں سکندر اور چنگیز جیسے سفاکوں کا نام لینا کس قدر بے موقع ہے، سکندر اور چنگیز کی سفاکیاں فوری فتوحات کے لئے مفید ثابت ہوئیں؛ لیکن جس سلطنت کی بنیاد ظلم و تعدی پر ہوتی ہے وہ کبھی دیر پا نہیں ہو سکتی ہے؛ چنانچہ ان لوگوں کی سلطنت قائم کی اس کی بنیاد عدل و انصاف اور مسالمت پر قائم ہوئی تھی، اس لئے وہ آج تیرہ سو برس کے بعد بھی اسی طرح ان کے جانشینوں کے قبضہ اقتدار میں موجود ہے۔ یورپین مورخین عہد فاروقی کے اس بدلیع مثال کارنامے کی اہمیت کم کرنے کے لئے بیان کرتے ہیں کہ اس وقت فارس و روم کی دونوں سلطنتیں طوائف الملوکی اور مسلسل بد نظمیوں کے باعث اوج اقبال سے گزر چکی تھیں؛ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا دنیا کی ایسی زیر دست سلطنتیں بادشاہوں کے ادل بدل اور معمولی اختلاف سے اس درجہ کمزور ہو گئی تھیں کہ روم و ایران میں قسطنطین اعظم اور خرد پر ویز کا جاہ و جلال نہ تھا، تاہم ان سلطنتوں کا عرب جیسی بے سرو سامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جانا دنیا کا عجیب و غریب واقعہ ہے اور ہم کو اس کا راز ان سلطنتوں میں کمزوری میں نہیں؛ بلکہ اسلامی نظام خلافت اور خلیفہ وقت کے طرز عمل میں تلاش کرنا چاہئے۔

### نظام خلافت:

اسلام میں خلافت کا سلسلہ گو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد سے شروع ہوا اور ان کے قلیل زمانہ خلافت میں بھی بڑے بڑے کام انجام پائے؛ لیکن منتظم

اور باقاعدہ حکومت کا آغاز حضرت عمرؓ کے عہد سے ہوا، انہوں نے نہ صرف قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتوں کو اسلام کے ممالک محروسہ میں شامل کیا؛ بلکہ حکومت و سلطنت کا باقاعدہ نظام بھی قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ حکومت کے جس قدر ضروری شعبے ہیں، سب ان کے عہد میں وجود پذیر ہو چکے تھے؛ لیکن قبل اس کے کہ ہم نظام حکومت کی تفصیل بیان کریں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟

حضرت عمرؓ کی خلافت جمہوری طرز حکومت سے مشابہ تھی، یعنی تمام ملکی و قومی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے تھے، اس مجلس میں مہاجرین و انصارؓ کے منتخب اور اکابر اہل الرائے شریک ہوتے تھے اور بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق آراء یا کثرت رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے، مجلس کے ممتاز اور مشہور ارکان یہ ہیں:

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ۔

(کنز العمال ج ۳: ۱۳۴)

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ تمام سرداران قبائل شریک ہوتے تھے، یہ مجلس نہایت اہم امور کے پیش آنے پر طلب کی جاتی تھی، ورنہ روزمرہ کے کاروبار میں مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا، ان دونوں مجلسوں کے سوا ایک تیسری مجلس بھی تھی جس کو ہم مجلس خاص کہتے ہیں، اس میں صرف مہاجرین صحابہ شریک ہوتے تھے۔

(فتوح البلدان بلاذری: ۲۷۶)

مجلس شوریٰ کے انعقاد کا عام طریقہ یہ تھا کہ لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے

تھے، اس کے بعد ہر ایک کی رائے دریافت کرتے تھے۔

(تاریخ طبری، ۲۵۷۴)

جمہوری حکومت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی رائے کے اعلانیہ اظہار کا موقع دیا جائے، حاکم کے اختیارات محدود ہوں اور اس کے طریق عمل پر ہر شخص کو نکتہ چینی کا حق ہو، حضرت عمرؓ کی خلافت ان تمام امور کی جامع تھی، ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا تھا اور خلیفہ وقت اختیارات کے متعلق خود حضرت عمرؓ نے متعدد موقعوں پر تصریح کر دی تھی کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے، نمونہ کے لئے ایک تقریر کے چند فقرے درج ذیل ہیں:

"وإنما أنا ومالکم کوئی الیتیم إن استغنیست استعفتت ، وإن افتقرت أکلت بالمعروف، لکم علی أیہا الناس خصال فخذونی بها، لکم علی أن لا أجتبی شیئاً من خراجکم و مما أفاء الله علیکم إلا من وجهه لکم علی إذا وقع فی یدی أن لا یخرج منی إلا فی حقہ ومالکم علی أن أزیذ أعطیاتکم وأرزاقکم إن شاء الله وأسد ثغورکم، ولکم علی أن لا ألقیکم فی البہالک"

(الخراج الاابی یوسف، باب: فصل فی تقبیل السوادی واختیار، ۱۱۷)

"مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح حق ہے جس طرح یتیم کے مال میں اس کے مربی کا ہوتا ہے، اگر میں دو لقمہ ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر صاحب حاجت ہوں گا تو اندازہ سے کھانے کے لئے لوں گا، صاحبو! میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے، ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بے جا طور پر صرف نہ ہونے پائے، ایک یہ کہ تمہارے روزینے بڑھاؤں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔"



مذکورہ بالا تقریر صرف دلفریب خیالات کی نمائش نہ تھی؛ بلکہ حضرت عمرؓ نہایت سختی کے ساتھ اس پر عامل بھی تھے، واقعات اس کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں، ایک دفعہ حضرت حفصہؓ آپ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ یہ خبر سن کر کہ مال غنیمت آیا ہے، حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المؤمنین! میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں، اس لئے اس مال میں سے مجھ کو بھی عنایت کیجئے، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ "بیشک تم میرے خاص مال میں حق رکھتی ہو؛ لیکن یہ تو عام مسلمانوں کا مال ہے۔"

(کنز العمال ج ۶: ۳۵۰)

ایک دفعہ خود بیمار پڑے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا، بیت المال میں شہد موجود تھا؛ لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر لوگوں سے کہا کہ "اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں"

(ایضاً ۳۵۳)

ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں جب حضرت عمرؓ کی احتیاط کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ مہمات امور میں وہ کسی قدر محتاط ہوں گے۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو احکام پر نکتہ چینی کرنے کی ایسی عام آزادی دی تھی کہ معمولی سے معمولی آدمیوں کو خود خلیفہ وقت پر اعتراض کرنے میں باک نہیں ہوتا تھا، ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا "اتق اللہ یا عمر" (کتاب الخراج: ۷) حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکنا چاہا، حضرت عمرؓ نے فرمایا "نہیں کہنے دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم نہ مانیں تو ہم" یہ آزادی صرف مردوں تک محدود نہ تھی؛ بلکہ عورتیں بھی مردوں کے قدم بہ

قدم تھیں۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ مہر کی مقدار کے متعلق تقریر فرما رہے تھے، ایک عورت نے اثنائے تقریر ٹوک دیا اور کہا "اتق اللہ یا عمر!" یعنی اے عمر! خدا سے ڈر! اس کا اعتراض صحیح تھا حضرت عمرؓ نے اعتراف کے طور پر کہا کہ ایک عورت بھی عمرؓ سے زیادہ جانتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ آزادی اور مساوات کی یہی عام ہوا تھی جس نے حضرت عمرؓ کی خلافت کو اس درجہ کامیاب کیا اور مسلمانوں کو جوش استقلال اور عزم و ثبات کا مجسم پتلا بنا دیا۔ خلافت فاروقی کی ترکیب اور ساخت بیان کرنے کے بعد اب ہم انتظامات ملکی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد مبارک میں خلافت اسلامیہ کو کس درجہ منظم اور باقاعدہ بنادیا تھا اور کس طرح حکومت کی ہر شاخ کو مستقل محکمہ کی صورت میں قائم کر دیا تھا۔

نظام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم ہے، اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس کی ابتدا کی اور تمام ممالک مفتوحہ کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا، مکہ، مدینہ، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین، ان صوبوں کے علاوہ تین صوبے اور تھے، خراسان، آذربائیجان، فارس، ہر صوبہ میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے، والی یعنی حاکم صوبہ، کاتب یعنی میر منشی، کاتب دیوان یعنی فوجی محکمہ کا میر منشی، صاحب الخراج عینی کلکٹر، صاحب احداث یعنی افسر پولیس، صاحب بیت المال، یعنی افسر خزانہ، قاضی یعنی جج چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسرؓ والی، عثمان بن حنیفؓ کلکٹر، عبد اللہ بن مسعودؓ افسر خزانہ، شریح قاضی اور عبد اللہ بن خزاعی کاتب دیوان تھے۔

(طبری ص ۶۳۱)

بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا، حضرت عمرؓ کسی لائق راہباز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے، اور چونکہ حضرت عمرؓ میں جو ہر شناسی کا مادہ فطرتاً تھا اس لئے ارباب مجلس عموماً ان کے حسن انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس شخص کے تقرر پر اتفاق رائے کر لیتے تھے؛ چنانچہ نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لئے نعمان بن مقرن کا اسی طریقہ سے انتخاب ہوا تھا۔  
(استیعاب تذکرہ نعمان)

### احتساب:

خليفة وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق و عادات کی حفاظت ہے، حضرت عمرؓ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے، وہ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔

(طبری: ۲۷۷)

اسی کے ساتھ اس کے مال و اسباب کی فہرست تیار کر کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ کا علم ہوتا تھا تو جائزہ لے کر آدھا مال بٹالیتے تھے اور بیت المال میں داخل کر دیتے تھے۔

(فتوح البلدان: ۲۱۹)

ایک دفعہ بہت سے عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے، خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، انہوں نے سب کی املاک کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال بٹالیا اور بیت المال میں داخل کر لیا، موسم حج میں اعلان عام تھا کہ جس عامل

سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہ خلافت میں پیش کرے۔

(تاریخ طبری: ۲۶۸)

چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات کے بعد اس کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپ کے فلاں عامل نے مجھ کو بے قصور کوڑے مارے ہیں، حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اس عامل کو کوڑے لگائے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے التجا کی کہ عمال پر یہ امر گراں ہوگا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں، عمرو بن العاصؓ نے منت سماجت کر کے مستغیث کو راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض دو دواشر فیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔

(کتاب الخراج: ۶۶)

حضرت خالد سیف اللہ جو اپنی جانبازی اور شجاعت کے لحاظ سے تاج اسلام کے گوہر شاہوار اور اپنے زمانہ کے نہایت ذی عزت اور صاحب اثر بزرگ تھے محض اس لئے معزول کر دیئے گئے کہ انہوں نے ایک شخص کو انعام دیا تھا، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار اعظم کو لکھا کہ خالدؓ نے یہ انعام اپنی گروہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی، دونوں صورت میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

(ابن اثیر ج ۲: ۴۱۸)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے، شکایتیں گزریں کہ انہوں نے اسیران جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے منتخب کر کے اپنے لئے رکھ چھوڑے ہیں اور کاروبار حکومت زیاد بن سفیان کے سپرد کر رکھا ہے اور یہ کہ ان کے پاس ایک

لوٹڈی ہے جس کو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہنچائی جاتی ہے جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی، حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری سے مواخذہ کیا تو انہوں نے دوا اعتراضوں کا جواب تشفی بخش دیا، لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب نہ دے سکے؛ چنانچہ لوٹڈی ان کے پاس سے لے لی گئی۔

(طبری: ۱۲، ۲۷۱)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں دیوڑھی بھی تھی، حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اہل حاجت کو رکاوٹ ہو گا محمد بن مسلمہؓ کو حکم دیا کہ جاکر دیوڑھی میں آگ لگا دیں؛ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ خاموشی سے دیکھتے رہے۔

(کنز العمال ج ۶: ۳۵۵)

عیاض بن غنم عامل مصر کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے، حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات پر مامور کیا، محمد بن مسلمہؓ نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے، اس ہیئت اور لباس کے ساتھ لے کر مدینہ آئے، حضرت عمرؓ نے ان کا باریک کپڑا اترا دیا اور بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکری چرانے کا حکم دیا، عیاضؓ کو انکار کی مجال نہ تھی، مگر بار بار کہتے تھے، اس سے مر جانا بہتر ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے، اس میں عار کیوں ہے؟ عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔

(کتاب الخراج: ۶۶۱)

حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا خاص اہتمام

تھا، حضرت عمرؓ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے، چاہتے تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکارم اخلاق سے آراستہ ہو جائے، انہوں نے عرب جیسی فجار قوم سے فخر و غرور کی تمام علامتیں مٹا دیں، یہاں تک کہ آقا اور نوکر کی تمیز باقی نہ رہنے دی۔

ایک دن صفوان بن امیہ نے ان کے سامنے ایک خوان پیش کیا، حضرت عمرؓ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمایا کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار آتا ہے۔

(ادب المفرد باب ہل یجلس خادمہ معہ اذا اکل)

شعر و شاعری کے ذریعہ ہجو و بد گوئی عرب کا عام مذاق تھا، حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے اس کو بند کر دیا، حظیہ اس زمانہ کا مشہور ہجو گوئی شاعر تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو قید کر دیا اور آخر اس شرط پر رہا کیا کہ پھر کسی کی ہجو نہیں لکھے گا، (اسد الغابہ تذکرہ زبرقان) ہو ا پرستی، رندی اور آوارگی کی نہایت شدت سے روک تھام کی، شعراء کو عشقیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے سے قطعی طور پر منع کر دیا، شراب خوری کی سزا سخت کر دی، چالیس درے سے اسی درے کر دیئے۔

حضرت عمرؓ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ لوگ عیش پرستی اور تنعم کی زندگی میں مبتلا ہو کر سادگی کے جوہر سے خالی نہ ہو جائیں، افسروں کو خاص طور پر عیسائیوں اور پارسیوں کے لباس اور طرز معاشرت کے اختیار کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے، سفر شام میں مسلمان افسروں کے بدن پر حریر دیا کے حلے اور پر تکلف قبائیں دیکھ کر اس قدر خفا ہوئے کہ ان کو سنگریزے مارے اور فرمایا تم اس وضع میں میرا استقبال کرتے ہو۔

(طبری: ۴۲۳)

مسلمانوں کو اخلاق ذمہ سے باز رکھنے کے ساتھ ساتھ مکالم اخلاق کی بھی خاص طور پر تعلیم دی، مساوات اور عزت نفس کا خاص خیال رکھتے تھے اور تمام اعمال کو ہدایت تھی کہ مسلمانوں کو مارا نہ کریں اس سے وہ ذلیل ہو جائیں گے۔

(ابن سعد قسم اول ج ۳: ۲۰۱)

### ملکی نظم و نسق:

شام و ایران فتح ہوا تو لوگوں کی رائے ہوئی کہ مفتوحہ علاقے امرائے فوج کی جاگیر میں دے دیئے جائیں، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک فتح کیا ہے ان ہی کا قبضہ بھی حق ہے، حضرت بلالؓ کو اس قدر اصرار تھا کہ حضرت عمرؓ نے دق ہو کر فرمایا "اللھم اکفنی بلالا" لیکن خود حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ زمین حکومت کی ملک اور باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، اور حضرت طلحہؓ بھی حضرت عمرؓ کے ہم آہنگ تھے، غرض مجلس عام میں مسئلہ پیش ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد فاروق اعظمؓ کی رائے پر فیصلہ ہوا۔

(کتاب الخراج: ۱۴، ۱۵)

عراق کی پیمائش کرائی، قابل زراعت اراضی کا بندوبست کیا، عشر و خراج کا طریقہ قائم کیا، عشر کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیقؓ کے زمانہ میں جاری ہو چکا تھا؛ لیکن خراج کا طریقہ اس قدر منضبط نہیں ہوا تھا، اسی طرح شام و مصر میں بھی لگان تشخیص کیا؛ لیکن وہاں کا قانون ملکی حالات کے لحاظ سے عراق سے مختلف تھا، تجارت پر عشر یعنی چنگی لگائی گئی، اسلام میں یہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے اور اس کی ابتداء ہوئی کہ مسلمان جو غیر ممالک میں تجارت کے لئے جاتے تھے ان کو دس فیصد ٹیکس دینا پڑتا تھا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی غیر ملکی مال پر

ٹیکس لگادیا، اسی طرح تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ خاص حضرت عمرؓ کے حکم سے قائم کی ورنہ گھوڑے مستثنیٰ تھے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ نعوذ باللہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں، اس لئے تجارت کے گھوڑے مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں مردم شمار کرائی، اضلاع میں باقاعدہ عدالتیں قائم کیں، محکمہ قضا کے لئے اصول و قوانین بنائے، قاضیوں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں تاکہ یہ لوگ رشوت ستانی سے محفوظ رہیں؛ چنانچہ سلمانؓ، ربیعہؓ اور قاضی شریحؓ کی تنخواہیں پانچ پانچ سو درہم ماہانہ تھیں۔

(فتح القدیر حاشیہ ہدایہ ج ۲ صفحہ ۲۴)

اور امیر معاویہؓ کی تنخواہ ایک ہزار دینار تھی، (استیعاب تذکرہ امیر معاویہؓ) حل طلب مسائل کے لئے شعبہ افتاء قائم کیا، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبد اللہ بن عوفؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابو درداءؓ اس شعبے کے ممتاز رکن تھے۔

ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے حضرت عمرؓ نے احداث یعنی پولیس کا محکمہ قائم کیا، اس کے افسر کا نام "صاحب الاحداث" تھا، حضرت ابو ہریرہؓ گو بحرین کا صاحب الاحداث بنا دیا تو ان کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت بھی انجام دیں، احتساب کے متعلق جو کام ہیں، مثلاً دکاندار ناپ تول میں کمی نہ کریں، کوئی شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لاد جائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے، اس قبیل کے اور بہت سے امور کی نگرانی کا جن



کا تعلق پبلک مفاد اور احترام شریعت سے تھا اور پورا انتظام تھا اور صاحبانِ احداث (افسران پولیس) اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

عہد فاروقی سے پہلے جزیرہ نما عرب میں جیل خانوں کا نام و نشان نہ تھا، حضرت عمرؓ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کر اس کو جیل خانہ بنایا۔

(مقریزی ج ۲)

پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے، جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ ہی کی ایجاد ہے؛ چنانچہ ابو محجن ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلاوطن کر دیا تھا۔

(اسد الغابہ)

### بیت المال:

خلافت فاروقی سے پہلے مستقل خزانہ کا وجود نہ تھا؛ بلکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا، ابن سعدؒ کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کر لیا تھا؛ لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا اور اس میں کچھ داخل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی؛ چنانچہ ان کی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

حضرت عمرؓ نے تقریباً ۱۵ھ میں ایک مستقبل خزانہ کی ضرورت محسوس کی اور مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا، دار الخلافہ کے علاوہ تمام اضلاع اور صوبہ جات میں بھی اس کی شاخیں قائم کی گئیں اور ہر جگہ اس محکمہ کے جداگانہ افسر مقرر ہوئے، مثلاً اصفہان میں خالد بن حارثؓ اور کوفہ میں

عبداللہ بن مسعود خزانہ کے افسر تھے، صوبہ جات اور اضلاع کے بیت المال میں مختلف آمدنیوں کی جو رقم آتی تھی وہ وہاں کے سالانہ مصارف کے بعد اختتام سال پر صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی، صدر بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دار الخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے، صرف اس کی تعداد تین کروڑ رہی تھی، بیت المال کے حساب کتاب کے لئے مختلف رجسٹر ڈھوائے، اس وقت تک کسی مستقل سنہ کا عرب میں رواج نہ تھا، حضرت عمرؓ نے ۱۶ھ میں سنہ ہجری ایجاد کر کے یہ کمی بھی پوری کر دی۔

### تعمیرات

اسلام کا دائرہ حکومت جس قدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا، حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کے لئے کوئی مستقل صیغہ نہ تھا تاہم صوبہ جات کے عمال اور حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت منتظم اور وسیع طور پر جاری تھا، ہر جگہ حکام کے بود و باش کے لئے سرکاری عمارتیں تیار ہوئیں، رفاه عام کے لیے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں، فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے چھاؤنیاں اور بارکیں تعمیر ہوئیں، مسافروں کے لئے مہمان خانے بنائے گئے، خزانہ کی حفاظت کے لئے بیت المال کی عمارتیں تیار ہوئیں، حضرت عمرؓ تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھے؛ لیکن بیت المال کی عمارتیں عموماً شاندار اور مستحکم بنواتے تھے؛ چنانچہ کوفہ کے بیت المال کو روز بہ نامی ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور اس میں خسروان فارس کی عمارت کا مسالہ استعمال کیا گیا تھا۔

(طبری ذکر آبادی کوفہ)

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جو خاص تعلق ہے اس کے لحاظ سے ضروری تھا

کہ ان دونوں شہروں کے درمیان راستہ سہل اور آرام دہ بنایا جائے، حضرت عمرؓ نے ۷ھ میں اس کی طرف توجہ کی اور مدینہ سے لے کر مکہ معظمہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار کرائے۔

(ایضاً: ۵۲۹)

ترقی زراعت کے لئے تمام ملک میں نہریں کھدوائی گئیں، بعض نہریں ایسی تھیں جن کا تعلق زراعت سے نہ تھا، مثلاً نہر ابی موسیٰ جو محض بصرہ والوں کے لئے شیریں پانی بہم پہنچانے کے خیال سے دجلہ کو کاٹ کر لائی گئی تھی، یہ نہر نو میل لمبی تھی، (فتوح البلدان ۳۶۵) اسی طرح نہر معقل جس کی نسبت عربی ضرب المثل ہے اذا جاء نہر اللہ بطل نہر المعقل۔

(ایضاً: ۳۶۶)

حضرت سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے بھی ایک نہر تیار کرائی جو سعد بن عمرو بن حرام کے نام سے مشہور ہوئی، (ایضاً: ۳۸۳) اس سلسلہ میں سب سے بڑی اور فائدہ رساں وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہوئی جس کے ذریعہ سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملادیا گیا تھا۔

(حسن المحاضرہ سیوطی ۶۸)

## مستعمرات

مسلمان جب عرب کی گھاٹیوں سے نکل کر شام و ایران کے چمن زار میں پہنچے تو ان کو یہ ممالک ایسے خوش آئند نظر آئے کہ انہوں نے وطن کو خیر باد کہہ کر یہیں طرح اقامت ڈال دی اور نہایت کثرت سے نو آبادیاں قائم کیں، حضرت عمرؓ کے عہد میں جو شہر آباد ہوئے ان کی ایک اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔

## بصرہ:

۱۲ھ میں عبید بن غزوہ نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اس شہر کو بسایا تھا، ابتدا میں صرف آٹھ سو آدمیوں نے یہاں سکونت اختیار کی؛ لیکن اس کی آبادی بہت جلد ترقی کر گئی، یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے عہد امارت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے اسی ہزار اور ان کی آل و اولاد کی ایک لاکھ بیس ہزار تھی، بصرہ اپنی علمی خصوصیات کے لحاظ سے مدتوں مسلمانوں کا مایہ ناز شہر رہا ہے۔

## کوفہ:

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے امیر المومنین کے حکم سے عراق کے قدیم عرب فرمانروا نعمان بن منذر کے پایہ تخت کو آباد کیا اور اس میں چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے لائق مکانات بنوائے گئے، حضرت عمرؓ کو اس شہر کے بسانے میں غیر معمولی دلچسپی تھی، شہر کے نقشہ کے متعلق خود ایک یادداشت لکھ بھیجی، اس میں حکم تھا کہ شارع ہائے عام چالیس چالیس ہاتھ چوڑی رکھی جائیں، اس سے کم کی مقدار ۳۰، ۳۰ ہاتھ اور ۲۰، ۲۰ ہاتھ سے کم نہ ہو، جامع مسجد کی عمارت اس قدر وسیع بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے۔

(معجم البلدان ج ۷ کوفہ)

مسجد کے سامنے دو سو ہاتھ لمبا ایک وسیع سائبان تھا جو سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا، یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں اس عظمت و شان کو پہنچ چکا تھا کہ وہ اس کو اس اسلام فرمایا کرتے تھے، علمی حیثیت سے بھی ہمیشہ ممتاز رہا ہے، امام نخعی، حماد، امام ابو حنیفہ اور امام شعبی اسی معدن کے لعل و گوہر تھے۔

## فسطاط:

دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک کف دست میدان تھا، حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر نے اثنائے جنگ میں یہاں پڑاؤ کیا، اتفاق سے ایک کبوتر نے ان کے خیمہ میں گھونسلنا بنالیا، عمرو بن العاصؓ نے کوچ کے وقت قصداً اس خیمہ کو چھوڑ دیا کہ اس مہمان کو تکلیف نہ ہو مصر کی تسخیر کے بعد انہوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اسی میدان میں ایک شہر آباد کیا، چونکہ خیمہ کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں، اس لئے اس شہر کا نام فسطاط قرار پایا، (ایضاً ذکر فسطاط) فسطاط نے بہت جلد ترقی کر لی اور پورے مصر کا صدر مقام ہو گیا، چوتھی صدی کا ایک سیاح ان الفاظ میں اس شہر کے عروج و کمال کا نقشہ کھینچتا ہے: "یہ شہر بغداد کا نسخ، مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے، دنیائے اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتی ہیں، نہ یہاں سے زیادہ کبھی ساحل پر جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں۔"

## موصل:

یہ پہلے ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو ایک عظیم الشان شہر بنادیا ہرثمہ بن عرفجہ نے بنیاد رکھی اور ایک جامع مسجد تیار کرائی اور چونکہ یہ مشرق و مغرب کو آپس میں ملاتا ہے اس لئے اس کا نام موصل رکھا گیا۔

## حیرہ:

فتح اسکندریہ کے بعد عمرو بن العاصؓ اس خیال سے کہ رومی دریا کی سمت سے حملہ نہ کرنے پائیں، تھوڑی سی فوج لب ساحل مقرر کر دی تھی، ان لوگوں کو دریا کا منظر ایسا پسند آگیا کہ وہاں سے ہٹنا پسند نہ کیا، حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کی حفاظت کے

لئے ۲۱ھ میں ایک قلعہ تعمیر کرا دیا اور اس وقت سے یہاں ایک مستقل نو آبادی کی صورت پیدا ہو گئی۔

(تفصیلی حالات مقریزی میں مذکور ہیں)

### فوجی انتظامات:

اسلام جب رومن امپائر سے بھی زیادہ وسیع سلطنت کا مالک ہو گیا اور قیصر و کسریٰ کے عظیم الشان ممالک اس کا ورثہ بن گئے تو اس کو ایک منتظم اور فوجی سسٹم کی ضرورت محسوس ہوئی، ۱۵۱ھ میں حضرت عمرؓ نے اس کی طرف توجہ کی اور تمام ملک کو فوجی بنانا چاہا؛ لیکن ابتداء میں ایسی تعلیم ممکن نہ تھی اس لئے پہلے قریش و انصار سے آغاز کیا اور مخرمہ بن نوفلؓ، جبیر بن مطعمؓ، عقیل بن ابی طالبؓ کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ وہ قریش و انصار کا ایک رجسٹر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب تفصیل سے درج ہو اس ہدایت کے مطابق رجسٹر تیار ہوا اور حسب حیثیت تنخواہیں اور ان کی بیوی بچوں کے گزارے کے لئے وظائف مقرر ہوئے مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی تنخواہ دو دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئی، اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ جن لوگوں کی جتنی تنخواہیں مقرر ہوئیں اتنی ہی ان کے غلاموں کی بھی مقرر ہوئیں۔

(تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں، دیکھو کتاب الخراج: ۲۴)

و مقریزی ج ۱: ۹۲، و بلاذری: ۴۵۳)

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظم نے مساوات کا کیسا سبق سکھایا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اس نظام کو قریش و انصار سے وسعت دے کر تمام قبائل عرب میں عام کر دیا، پورے ملک کی مردم شماری کی گئی اور ہر ایک عربی نسل کی علی

قدر مراتب تنخواہ مقرر ہوئی، یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کے لئے وظائف کا قاعدہ جاری کیا گیا۔

(فتوح البلدان: ۴۶۴)

گویا عرب کا ہر ایک بچہ اپنے یوم ولادت ہی سے اسلامی فوج کا ایک سپاہی تصور کر لیا جاتا تھا، ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی ملتا تھا، تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قبیلہ میں ایک عریف ہوتا تھا، اسی طرح ہر دس سپاہی پر ایک افسر ہوتا تھا جن کو امراء الاعشار کہتے ہیں، تنخواہیں عریف کو دی جاتی تھیں وہ امرائے عشائر کی معرفت فوج میں تقسیم کرتا تھا، ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی، کوفہ اور بصرہ میں سو عریف تھے جن کے ذریعہ سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی، حسن خدمت اور کارگزاری کے لحاظ سے سپاہیوں اور افسروں کی تنخواہوں میں وقفوں کا اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا؛ چنانچہ زہرہ، عصمہ، اور ضبی وغیرہ نے قادیسیہ میں غیر معمولی جانبازی کا اظہار کیا تھا، اس صلہ میں ان کی تنخواہیں دو دو ہزار سے اڑھائی اڑھائی ہزار کر دی گئیں۔

حضرت عمرؓ کو فوج کی تربیت کا بہت خیال تھا، انہوں نے نہایت تاکید کی احکام جاری کئے تھے کہ ممالک مفتوحہ میں کوئی شخص زراعت یا تجارت کا شغل اختیار نہ کرنے پائے، کیونکہ اس سے ان کے سپاہیانہ جوہر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، سرد اور گرم ممالک پر حملہ کرتے وقت موسم کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ فوج کی صحت اور تندرستی کو نقصان نہ پہنچے۔

قواعد کے متعلق چار چیزوں کے سیکھنے کی سخت تاکید تھی، تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا اور ننگے پاؤں چلنا، ہر چار مہینے کے بعد سپاہیوں کو وطن جا کر اپنے اہل

وعیال سے ملنے کے لئے رخصت دی جاتی تھی۔

(فتوح البلدان،: ۱۴۸)

جفاکشی کے خیال سے حکم تھا کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ سے بچیں حماموں میں نہ نہائیں۔

موسم بہار میں فوجیں عموماً سرسبز و شاداب مقامات میں بھیج دی جاتی تھیں، بارکوں اور چھاؤنیوں کے بنانے میں آب و ہوا کی خوبی کا لحاظ رکھا جاتا تھا، کوچ کی حالت میں حکم تھا کہ فوج جمعہ کے دن مقام کرے اور ایک شب و روز قیام رکھے کہ لوگ دم لیں، غرض حضرت عمرؓ نے تیرہ سو برس پیشتر فوجی تربیت کے لئے اعلیٰ اصول وضع کر دیئے تھے کہ آج بھی اصولی حیثیت سے اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ حسب ذیل مقامات کو فوجی مرکز قرار دیا تھا، مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص، اردن، فلسطین، ان مقام کے علاوہ تمام اضلاع میں فوجی بارکیں اور چھاؤنیاں تھیں، جہاں تھوڑی تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی۔

فوج میں حسب ذیل عہدے دار لازمی طور پر رہتے تھے، خزانچی، محاسب، مترجم، طبیب، جراح، اور جاسوس جو غنیم کی نقل و حرکت کی خبریں بہم پہنچایا کرتے تھے، یہ خدمت زیادہ تر ذمیوں سے لی جاتی تھی چنانچہ قیساریہ کے محاصرہ میں یوسف نامی یہودی نے جاسوسی کی خدمت انجام دی تھی۔

(فتوح البلدان ص ۱۴۸)

اسی طرح عراق میں بعض وفادار مجوسی اپنی خوشی سے اس خدمت کو انجام دیتے تھے، تاریخ طبری میں ہے: وکانت تکون لعمر العیون فی کل جیش۔

"ہر فوج میں حضرت عمرؓ کے جاسوس رہتے تھے۔"



آلات جنگ میں تیغ و سنان کے علاوہ قلعہ شکنی کے لئے منجیق اور دبابہ بھی ساتھ رہتا تھا چنانچہ دمشق کے محاصروں میں منجیقوں کا استعمال ہوا تھا۔

(طبری: ۲۱۵۲)

فوج حسب ذیل شعبوں میں منقسم تھی:

مقدمہ، قلب، مہینہ، میسرہ، ساقہ، طلیعہ، سفرینا، روالعینی عقبی گارد، شتر سوار، سوار، پیادہ، تیر انداز گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کا بھی نہایت اہتمام تھا، ہر مرکز میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان سے لیس رہتے تھے، موسم بہار میں تمام گھوڑے سرسبز و شاداب مقامات پر بھیج دیئے جاتے تھے، خود مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تیار کرائی، اور اپنے ایک غلام کو اس کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا، گھوڑوں کی رانوں پر داغ سے "جیش فی سبیل اللہ" نقش کیا جاتا تھا۔

عرب کی تلوار اپنی فتوحات میں کبھی غیروں کی ممنون نہیں ہوئی لیکن حریف اقوام کو آپس میں لڑانا فن جنگ کا ایک بڑا اصول ہے، حضرت عمرؓ نے اس کو نہایت خوبی سے برتا، صد ہائے یونانی اور رومی بہادروں نے اسلامی فوج میں داخل ہو کر مسلمانوں کے دوش بدوش نہایت وفاداری کے ساتھ خود اپنی قوموں سے جنگ کی۔ قادسیہ کے معرکہ میں دوران جنگ ہی میں ایرانیوں کی چار ہزار افواج حلقہ اسلام میں آگئی اور سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کو اسلامی فوج میں شامل کر لیا اور ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں، یرموک کے معرکہ میں رومیوں کے لشکر کا مشہور سپاہی عین حالت جنگ میں مسلمان ہو گیا اور مسلمانوں کے دوش بدوش لڑ کر شہید ہوا۔

مذہبی خدمات:

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں سب سے بڑا کام اشاعت اسلام ہے حضرت عمرؓ

کو اس میں بہت انہاک تھا؛ لیکن تلوار کے زور سے نہیں؛ بلکہ اخلاق کی قوت سے انہوں نے اپنے غلام کو اسلام کی دعوت دی، اس نے باوجود ترغیب و ہدایت کے انکار کیا تو فرمایا لا اکر اہ فی الدین۔

(کنز العمال ج ۵: ۴۹)

یعنی مذہب میں جبر نہیں، حکام کو ہدایت تھی کہ جنگ سے پہلے لوگوں کے سامنے محاسن اسلام پیش کر کے ان کو شریعت عزاک کی دعوت دی جائے، اس کے علاوہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو اپنی تربیت اور ارشاد سے اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بنادیا تھا، وہ جس طرف گزر جاتے تھے لوگ ان کے اخلاقی تفوق کو دیکھ کر خود بخود اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے، رومی سفیر اسلامی کیمپ میں آیا تو سالار فوج کی سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر خود بخود اس کا دل اسلام کی طرف کھینچ گیا اور وہ مسلمان ہو گیا، مصر کا ایک رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا اور دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

(مقریزی، ۲۳۶)

وہ عربی قبائل جو عراق و شام میں آباد ہو گئے تھے، نسبتاً آسانی کے ساتھ اسلام کی جانب مائل کئے جاسکتے تھے، حضرت عمرؓ کو ان لوگوں میں تبلیغ کا خاص خیال تھا چنانچہ اکثر قبائل معمولی کوشش سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، مسلمانوں کے فتوحات کی بوالعجبی نے بھی بہت سے لوگوں کو اسلام کی صداقت کا یقین دلادیا؛ چنانچہ معرکہ قادسیہ کے بعد دلیلم کی چار ہزار عجمی فوج نے خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔

(فتوح البلدان: ۲۰۹)

اسی طرح فتح جلولا کے بعد بہت سے رؤسا برضا و رغبت مسلمان ہو گئے جن

میں بعض کے نام یہ ہیں: جمیل بن بھیری، بسطام بن نرسی، رفیل، فیروزان۔

(ایضاً جلولہ)

عراق کی طرح شام و مصر میں بھی کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے؛ چنانچہ شہر فسطاط میں ایک بڑا محلہ نو مسلموں کا تھا غرض حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ دین حنیف کی آئندہ کے لئے راستہ صاف کر گئے۔

اشاعت اسلام کے بعد سب سے بڑا کام خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین اور شعار اسلامی کی ترویج تھی، اس کے متعلق حضرت عمرؓ کے مساعی کا سلسلہ حضرت ابو بکرؓ ہی کے عہد سے شروع ہوتا ہے، قرآن مجید جو اساس اسلام ہے حضرت عمرؓ ہی کے اصرار سے کتابی صورت میں عہد صدیقی میں مرتب کیا گیا تھا، اس کے بعد انہوں نے اپنے عہد میں اس کے درس و تدریس کا رواج دیا، معلمین اور حفاظ اور مؤذنون کی تنخواہیں مقرر کیں، سیرۃ العمر میں مذکور ہے:

ان عمر بن الخطاب و عثمان کان یرزقان الموذنین والائمة والمعلمین  
حضرت عبادہ بن الصامتؓ، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو الدرداء کو جو حفاظ قرآن اور صحابہ کبار میں سے تھے، قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لئے ملک شام میں روانہ کیا۔

(کنز العمال ج ۱: ۲۸۱)

قرآن مجید کو صحت کے ساتھ پڑھنے اور پڑھانے کے لئے تاکید احکام روانہ کئے ابن الانباری کی روایت کے مطابق ایک حکم نامہ کے الفاظ یہ ہیں: تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظہ، غرض حضرت عمرؓ کی مساعی جمیلہ سے قرآن کی

تعلیم ایسی عام ہو گئی تھی کہ ناظرہ خوانوں کا تو شمار ہی نہیں، حافظوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں۔

(ایضاً: ۲۱۷)

اصول اسلام میں قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے، حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو خدمات انجام دیں ان کی تفصیل یہ ہے:

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو نقل کرا کے حکام کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر اس کی اشاعت ہو، مشاہیر صحابہ کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ روانہ کیا، عبداللہ بن مغفل، عمران بن حسین اور معقل بن یسارؓ کو بصرہ بھیجا، حضرت عبادہ بن الصامتؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو شام روانہ کیا۔

(ازالہ الخلفاء ج ۲: ۶)

اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ عدول ہیں؛ لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں، ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا؛ چنانچہ انہوں نے روایت قبول کرنے میں نہایت چھان بین اور احتیاط سے کام لیا، ایک دفعہ آپ کسی کام میں مشغول تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آئے اور تین دفعہ سلام کر کے واپس چلے گئے، حضرت عمرؓ کام سے فارغ ہوئے تو ابو موسیٰؓ کو بلا کر دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے تھے؟

انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین دفعہ اجازت مانگو اگر اس پر بھی نہ ملے تو واپس چلے جاؤ، حضرت عمرؓ نے فرمایا، اس

روایت کا ثبوت دو درجہ میں تم کو سزا دوں گا۔

(صحیح مسلم باب الاستیذان)

حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت سعیدؓ کو شہادت میں پیش کیا، اسی طرح سقط یعنی کسی عورت کا حمل ضائع کر دینے کے مسئلہ میں مغیرہؓ نے حدیث روایت کی تو حضرت عمرؓ نے شہادت طلب کی محمد بن مسلمہؓ نے تصدیق کی تو انہوں نے تسلیم کیا۔

(ابوداؤد کتاب الدیات باب دیتہ الجبین)

حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائید ثبوت طلب کیا، جب لوگوں نے تصدیق کی تو فرمایا مجھ کو تم سے بدگمانی نہ تھی؛ بلکہ اپنا اطمینان مقصود تھا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ تذکرہ عمر)

حضرت عمرؓ لوگوں کو کثرت روایت سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے؛ چنانچہ جب قرظہ بن کعب کو عراق کی طرف روانہ کیا تو خود دور تک ساتھ گئے اور سمجھایا کہ دیکھو تم ایسے ملک میں جاتے ہو جہاں قرآن کی آواز گونج رہی ہے، ایسا نہ ہو کہ ان کی توجہ کو قرآن سے ہٹا کر احادیث کی طرف مبذول کر دو۔

(ایضاً: ۶)

حضرت ابو ہریرہؓ بڑے حافظ حدیث تھے اس لئے وہ روایتیں بھی کثرت سے بیان کرتے تھے، ایک دفعہ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے عہد میں اس طرح روایت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ اگر اس زمانہ میں ایسا کرتا تو درے کھاتا۔ (ایضاً)

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے، حضرت عمرؓ خود بالمشافہ اپنے خطبوں اور تقریروں میں مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے اور دور دراز ممالک کے حکام فقہی

مسائل لکھ کر بھیجتے تھے، مختلف فیہ مسائل کو صحابہؓ کے مجمع میں پیش کرا کے طے کراتے تھے، اضلاع میں عمال اور افسروں کی تقرری میں عالم اور فقیہ ہونے کا خاص خیال رکھا جاتا تھا، تمام ممالک محروسہ میں فقہاء مقرر کئے تھے جو احکام مذہبی کی تعلیم دیتے تھے اور حسب بیان ابن جوزی حضرت عمرؓ نے فقہاء کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کی تھیں، اس سے پہلے فقہاء اور معلمین کو تنخواہ دینے کا رواج نہ تھا، غرض یہ کہ فاروق اعظمؓ کے عہد میں مذہبی تعلیم کا ایک مرتب اور منظم سلسلہ قائم ہو گیا تھا جس کی تفصیل کے لئے اس اجمال میں گنجائش نہیں۔

عملی انتظامات کی طرف بھی حضرت عمرؓ نے بڑی توجہ کی، تمام ممالک محروسہ میں کثرت سے مسجدیں تعمیر کرائیں، امام اور مؤذن مقرر کئے، حرم محترم کی عمارت ناکافی تھی ۷۷ھ میں اس کو وسیع کیا، غلاف کعبہ کے لئے نطع کے بجائے قباطی کا رواج دیا جو نہایت عمدہ کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنایا جاتا ہے، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہایت وسعت دی، پہلے اس کا طول سو گز تھا انہوں نے بڑھا کر ۱۴۰ گز کر دیا، عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا، مسجد کے ساتھ ایک گوشہ چبوتر بنا دیا کہ جس کو بات چیت کرنا یا شعر پڑھنا ہو تو یہاں چلا آئے۔ مسجدوں میں روشنی اور فرش کا انتظام بھی حضرت عمرؓ کے عہد سے ہی ہوا، حجاج کی راحت و آسائش کا بھی پورا انتظام تھا، ہر سال خود حج کے لئے جاتے تھے اور خبر گیری کی خدمت انجام دیتے تھے۔

(اسد الغابہ تذکرہ عمر)

### متفرق انتظامات:

ملکی، فوجی اور مذہبی انتظامات کا ایک اجمالی خاکہ درج کرنے کے بعد اب ہم ان متفرق انتظامات کا تذکرہ کرتے ہیں جو کسی خاص عنوان کے تحت نہیں آتے۔ ۱۸ھ

میں عرب میں قحط پڑا، حضرت عمرؓ نے اس مصیبت کو کم کرنے میں جو سرگرمی ظاہر کی وہ ہمیشہ یادگار زمانہ رہے گی، بیت المال کا تمام نقد و جنس صرف کر دیا، تمام صوبوں سے غلہ منگوا یا اور انتظام کے ساتھ قحط زدوں میں تقسیم کیا۔

(بیوقوفی ج ۲: ۷۷ میں اس کی پوری تفصیل ہے)

لا وارث بچوں کو دودھ پلانے اور پرورش پر داخت کا انتظام کیا۔

(ایضاً: ۱۷۱)

غرباء و مساکین کے روزینے مقرر کئے اور منبر پر اس کا اعلان فرمایا:

میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا۔

ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لئے بھی؟ فرمایا ہاں غلام کے لئے بھی۔

(فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافتہ عمرؓ)

لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ اس نکتہ سے بے خبر تھے کہ اس طرح مفت خوری سے لوگ کاہل ہو جائیں گے، درحقیقت انہوں نے ان ہی لوگوں کے روزینے مقرر کئے تھے جو یا تو فوجی خدمت کے لائق تھے یا ضعف کے باعث کسب معاش سے معذور تھے، ملکی حالات سے واقفیت کے لئے ملک کے ہر حصے میں پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کئے تھے جن کے ذریعہ سے ہر جزئی واقع کی اطلاع ہو جاتی تھی، مؤرخ طبری لکھتے ہیں:

عمر پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی، عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے سب ہی ان کو لکھا جاتا تھا۔

### عدل و انصاف:

خلافت فاروقی کا سب سے نمایاں وصف عدل و انصاف ہے، ان کے عہد میں

کبھی سر مو بھی انصاف سے تجاوز نہیں ہوا، شاہ و گدا، شریف و رزیل، عزیز و بیگانہ سب کے لئے ایک ہی قانون تھا، ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا، حضرت عمرؓ نے اسی مضروب سے ان کے کوڑے لگوائے، عمرو بن العاصؓ بھی موجود تھے، دونوں باپ بیٹے خاموشی سے عبرت کا تماشا دیکھتے رہے اور کچھ نہ کہا۔

(کنز العمال ج ۶: ۳۵۵)

جبلہ بن ابیہم رئیس شام نے کعبہ کے طواف میں ایک شخص کو طمانچہ مارا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ جیسا کیا ویسا پایا جبلہ کو اس جواب سے حیرت ہوئی اور مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اسامہ بن زیدؓ کی تنخواہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام حضرت زیدؓ کے فرزند تھے، اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی، عبداللہ نے عذر کیا کہ واللہ اسامہؓ کسی بات میں ہم سے فائق نہیں ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہؓ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

(مستدرک حاکم جلد ۳ مناقب عبداللہ بن عمرؓ)

فاروقی عدل وانصاف کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا؛ بلکہ ان کا دیوان عدل مسلمان، یہودی، عیسائی سب کے لئے یکساں تھا، قبیلہ بکمر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قاتل مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دیا جائے؛ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا سپرد کیا گیا اور اس نے اس کو مقتول عزیز کے بدلہ میں قتل کر دیا۔



## ماہنامہ فقہ ملنے کے پتے

ایجنسی ہولڈرز	علاقہ	فون نمبرز
دارالایمان	کراچی	03342028787
تحسین اللہ	پشاور	03339217613
قاضی نوید حنیف	آزاد کشمیر	03132317090
مولانا سلیم معاویہ	کبیر والا	03005664817
حبیب الرحمن نقشبندی	ننکانہ صاحب	03084552004
مولانا محمد عثمان	میانوالی	03336836228
مولانا عمر خطاب	اٹک	03077375075
رحمت اللہ	کوہاٹ	03449251287
مولانا خالد زبیر	لاہور	03153759031
مولانا خالد زبیر	چکوال	03335912502
ضیاء الرحمن	واں بھجراں	03363725900
مولانا محمد دلاور	اوکاڑہ	03136969193
مولانا عبد اللہ قمر	قصور	03008091899
مولانا عبد اللہ شہزاد	حافظ آباد	03212374824
مولانا امان اللہ حنفی	سرگودھا	03067800751
عبد الوکیل عزیز	سیالکوٹ	03338639255

نوٹ: ایجنسی بک کروانے کے لیے رابطہ کریں: 03326311808